1808

۷۸۶

شہید مغرب کے افسانے

مطبوعہ محبوب المطابع برقی پریس دہلی

شہیدِ مغرب

بروسہ سے دو تین میل ادہر اس مقام پر جہاں کوہ اولمپین کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا ہے دامن کوہ میں ایک چھوٹا سا گاؤں قریتہ الیہود ہے جس میں زیادہ تر یہودی آباد ہیں۔ قسطنطنیہ یہاں سے کچھ بہت دور نہیں مگر ان لوگوں کا طرز معاشرت ترکوں سے بالکل علیحدہ ہے۔ سنگین محلوں یا دو منزلوں، سہ منزلوں کی بجائے ان کے مکان کچی مٹی اور چھوٹی چھوٹی دیواروں کے ہیں جنہیں صاف ستھری ہوا آزادی سے آتی جاتی رہتی ہے۔ زیتون کے خوبصورت باغ اور کھجوروں کے اونچے اونچے درخت چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں اور یہی ان غریبوں کی جائداد اور اثاثہ ہے۔

بستی کا بڑا حصہ یہودی ہے لیکن کچھ مسلمان اور عیسائی بھی ہیں۔ مدائنہ چونکہ یہاں سے قریب ہے اس لئے ضرورت کی چیزیں مہیا کرنے کے واسطے ان کو اکثر شہر میں جانے کا اتفاق ہوتا ہے۔ مگر یہ اپنی حالت میں ایسے مگن ہیں کہ شہری زندگی کو رشک وحسد سے نہیں دیکھتے اور سلطان کی جان و مال کو دعا دیتے ہیں جس کے عہد سلطنت میں بے فکری سے اپنی زندگیاں بسر کر رہے ہیں۔

ربیع الاول سنہ ۱۳۲۰ھ کی ابتدائی تاریخوں میں جس کو آج سے تقریباً دس سال ہوئے قریتہ الیہود کا رئیس الدیہہ موسیٰ اپنے گھر میں مغموم و متفکر بیٹھا ہے اٹھے ہاتھ پر اس کی بیوی خاموش ہے اور سامنے ایک پندرہ برس کی لڑکی

اپنے ضعیف العمر والدین کے لئے قہوہ تیار کر رہی ہے یوسم کھلا ہوا ہے اور گو لڑکی کے گلے میں ایک میلی سی قمیص ہے۔ مگر قدرت نے اس کو حسن کے سانچہ میں ڈھال کر اس طرح دنیا میں بھیجا ہے کہ ایک زمانہ اس کی صورت پر فریفتہ ہو رہا ہے۔

زیور کا نام و نشان تک نہیں مگر چاندنی اس کے پاؤں میں لوٹ رہی ہے رات کا پہلا پہر ختم کے قریب ہے۔ مگر چشم کا فر نیند سے آشنا نہیں۔ البتہ افعی کی طرح لہراتے ہوئے سیاہ بال اتنا پتہ دے رہے ہیں کہ چمکتا دمکتا چاند اس افعی کو ڈسنے میں پوری پوری مدد دے گا۔

موسیٰ جو عالم خیال میں ایک ضروری مسئلہ کے حل کرنے میں مستغرق تھا۔ دفعتہً چونک اٹھا اور بیوی سے کہا:۔

"اس میں شک نہیں کہ یورپ کی دیکھا دیکھی آزادی نسواں کی گھٹا ٹرکی پر بھی چھا گئی۔ قسطنطنیہ کے بازار قسم کھا سکتے ہیں کہ پچھلی صدی میں سوا خاص ضرورتوں کے وہ کبھی کسی جوان یا حسین عورت کے قدموں سے آشنا نہ ہوئے مگر ہمارے دیکھتے دیکھتے یہ اثر بجلی کی طرح تمام ملک میں سرایت کر گیا۔ برقع کی آڑ برائے نام رہ گئی۔ خیر ہمیں اس سے زیادہ بحث نہیں۔ سلطنت اس کی ذمہ دار ہے اور اس کے حسن و قبح پر غور کرنا مسلمانوں کا کام ہے۔ لیکن کوئی چیز ہم کو مجبور نہیں کر سکتی کہ ہم اپنے جیتے جی شادی کا اختیار مریم کو دیں۔ اس کو اس معاملہ میں انتخاب کرنے کا مطلق حق نہیں۔ تم کو مجھ سے اتفاق کر لینا چاہئے۔ میری طرف سے مسلمان اور عیسائی دونوں یکساں ہیں۔ لیکن ایسی حالت میں قرنیۃ الیہود کے کسی خاندان میں کوئی یہودی لڑکا ایسا نظر نہیں آتا جو پیاری مریم کی آئندہ زندگی کو خوشحال بنانے کی امید دلا سکے۔ میں مچل کے مقابلہ میں ادہم کو ترجیح دیتا ہوں"

(۲)

سرزمینی گورستان کے عظیم الشان اور خوبصورت کتبے مٹنے والی روحوں کے نام یاد دلا رہے ہیں جو اپنی زندگیاں فلاح قوم پر قربان کر گئے دوپہر کا سنسان وقت ہے اور کھجور کے تناور درخت ان بیخبری کی نیند سونے والوں کا پہرہ دے رہے ہیں۔ ایسے قیامت خیز وقت میں کہ آفتاب عالمتاب نے کائنات کے ہر ذرہ کو جھلسا رکھا تھا۔ مریم ایک زیتون کے درخت کی آڑ میں خاموش کھڑی تھی۔ لباس کی سادگی نہ صرف اس کے کوار پنے کا ملکی نشان تھا بلکہ فلسفہ حسن کا مسئلہ کھلے ہوئے الفاظ میں حل کر رہا تھا۔ پسینہ کے قطرے نرم و نازک رخساروں پر پیشانی کی طرف سے بہتے ہوئے آ رہے تھے، اور موتی بن بن کر آب و تاب سے چمک رہے تھے نگاہ شوق انتظار کی تکلیف میں مصروف تھی کہ ہوا کے گرم جھونکے نے زیتون کا ایک پتہ گندھے ہوئے بالوں پر پھینکا۔ بادسموم کی یہ چھیڑ چھاڑ مریم کو اچھی نہ معلوم ہوئی اور وہ نگاہ جو جنگل بیابان کی طرف ٹکٹکی بنی ہوئی تھی ہٹ کر درخت پر پہونچی۔ ابھی درخت سے واپس نہ ہوئی تھی کہ ایک نوجوان ترک مریم کے سامنے کھڑا تھا۔ جس کے قدموں کی آہٹ نے لڑکی کی خشم آلود نظر کو بالجبر اپنی طرف متوجہ کیا اور وہ چونک کر پیچھے ہٹی۔

ترک "کیوں؟ مریم! اس طرح جھجک کر پیچھے کیوں ہٹیں! کیا ڈر گئیں"؟

مریم "تم یہاں کب سے کھڑے تھے اور آہا سپاہی بننے کا بھی شوق ہے"

ترک "شوق ہے ہی نہیں بلکہ پورا بھی ہو گیا۔ پیاری مریم تم یہ سن کر خوش ہو گی کہ تمہارا ادہم آج عثمانی فوج میں شامل ہو گیا"

مریم "بیشک بیشک، انسان وہی ہے جس کی زندگی ملک اور قوم کے کام آئے"

ادہم "عزیز میری عزیز مریم کس منہ سے شکریہ ادا کروں۔ ستم ہے اس وقت کہ زیتون کے پتے تک تپ رہے ہیں اور یہ نازک جسم لُو کے تھپیڑوں کی برداشت کر رہا ہے اے خدا وہ کونسا مبارک وقت ہوگا جب ادہم اپنی جان مریم پر قربان کر دے"

مریم "ان فضول باتوں سے کیا حاصل! اب میں جاتی ہوں"

ادہم "اتنی اجازت دو کہ میں یہ نازک پاؤں جو اس قدر تکلیف اٹھا چکے ہیں اپنی آنکھوں سے لگاؤں"

مریم "میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ تم شرع موسوی کے بموجب ایسے ہی ہو جیسے کوئی اور ہو سکتا ہے تم اس قسم کی باتیں کر کے مجھے کیوں شرمندہ کرتے ہو"

ادہم "یہ تو بتاؤ کیا طے ہوا؟"

مریم "میں نہیں کہہ سکتی کہ کیا ہوا اور کیا ہوگا بہ ظاہر والد تمہاری طرف مائل ہیں اور والدہ میخل کی طرف۔ اچھا رخصت"

(۳)

وہی قریۃ الیہود اور موسیٰ کا گھر، صبح کا سہانا وقت ہے طائران خوش الحان چہک چہک کر روز روشن کا استقبال کر رہے ہیں۔ موسیٰ منہ اندھیرے کسی ضرورت سے بروسہ چلا گیا۔ خوبصورت مریم چھت پر کھڑی نظام عالم کے کار نمایاں دیکھ رہی تھی۔ باد صبا اس کی سیاہ زلفوں سے سرگوشیاں کرتی تھی اور ہٹ جاتی تھی پرند اس کے حسن خداداد پر درود پڑھتے تھے، اور اُڑ جاتے تھے زمین اس کے پائے نازک کی بلائیں لیتی تھی اور لوٹ جاتی تھی۔ آفتاب جو اولمپس کی چوٹیوں سے جھانک جھانک کر مریم کو تاک رہا تھا۔ بیتاب ہو کر آگے بڑھا اور اس کے ساتھ ہی ایک عیسائی جوان نیچے کے گھر میں

داخل ہوا۔

مریم کی ماں اس کی صورت دیکھتے ہی تعظیم کو اٹھی اندر دالان میں لا کر بٹھایا۔ مریم کو اوپر سے بلایا اور ان دونوں کو ایک جگہ بٹھا کر باہر چلی گئی

مریم: "مسٹر مچل آپ کا مزاج؟"

مچل: "بظاہر تندرست ہوں مگر کوئی رات کوئی دن بلکہ کوئی لمحہ ایسا نہیں گذرتا کہ اس صورت کا خیال دل سے دور ہوتا ہو۔ میڈم واقعات پر غور کرو اور یقین کرو کہ مسلمان سے کبھی نیکی کی توقع نہ کرنا۔ تعداد ازدواج ان کے ایمان کا ادنٰی ثبوت ہے"

مریم: "مسٹر مچل! مجھے اس معاملہ میں رائے دینے کا کوئی حق نہیں والدین اس کے مجاز ہیں وہ جو مناسب سمجھیں کریں"

مچل: "آپ کی والدہ میری درخواست کو منظور کرتی ہیں آپ کو علم ہے کہ اس وقت ایک لاکھ ڈالر کی جائداد میرے قبضہ میں ہے۔ میں نہایت خوشی سے اس کو آپ کے نام منتقل کر سکتا ہوں"۔

مریم: "اچھا اس معاملہ پر غور کروں گی"

مریم کا فقرہ ختم نہ ہونے پایا تھا کہ موسیٰ گھر میں داخل ہوا اور مچل سلام کر کے مریم کی ماں سے کچھ کانا پھوسی کرنے کے بعد رخصت ہوا۔

(۴)

بربروسہ میں بارش اوّل تو یونہی برائے نام ہوتی تھی مگر سنہ ۲ء اور سنہ ۳ء دونوں سال تو ایسے ظالم نکلے کہ قرنیۃ الیہود بستیہ کے نام کو ترس گیا زمین آسمان کا منہ تکتی رہی مگر اسے مطلق رحم نہ آیا۔ ہری بھری لہلہاتی ہوئی کھیتیاں جل جل کر خشک ہو گئیں اور قرنیۃ الیہود پر ایسی قحط کی بلا نمودار ہوئی کہ موسیٰ کو کبھی

ہزار درہم کا باغ جو باپ دادا کی نشانی اور موروثی جائداد تھی کوڑیوں کے مول علیحدہ کرنا پڑا۔ چند ہی روز میں افلاس کے ڈیرے چھا گئے۔ اور موسیٰ کے گھر میں سوا اس دولت کے جو قدرت نے مریم کی صورت میں موسیٰ کے گھر پر نازل کی تھی، کچھ باقی نہ رہا۔ مچل کے واسطے اس سے بہتر کامیابی کا موقعہ کیا ہوتا۔ اس نے غریب موسیٰ کو قرضہ اور اس کے احسان میں اتنا دبایا کہ سر اٹھانے کی جگہ نہ رہی اور ضرورت نے ان کو مریم کی شادی میں متفق ہونے پر مجبور کر دیا۔

ذی الحجہ کی وسطی تاریخ میں ایک رات جب کہ چاند اپنی پوری آب و تاب سے سطح آسمان پر جلوہ گر تھا اور چادر ماہتاب در و دیوار پر پھیلی ہوئی تھی۔ مریم تن تنہا بالاخانہ کی چھت پر بیٹھی مختلف معاملات پر غور کر رہی تھی۔ چشم آہو کو شکست دینے والی آنکھیں جو ہندوستان کے سرمہ اور کاجل سے معرا تھیں۔ چاند پر گڑ گئیں۔ ریشمین سرخ بلاؤس نے اس وقت مریم کو گل لالہ بنا دیا تھا۔

کانوں میں آویزے، بالوں میں سپیں ہاتھ میں رومال۔ کندھے پر شال، بے فکری کے دن، جوانی کا سن، گلابی رخسار، معصومیت میں سرشار لب لعلین گل ناشگفتہ، تل سیاہ، ورنا سفتہ، موسیٰ کی جان، حسن کی کان مختصر یہ کہ مریم اس وقت زلیخا کی دوسری تصویر عالم استغراق میں محو تھی ہوا نے ان گیسوؤں کو چوما جو گلاب کی پنکھڑی سے زیادہ نازک تھے، مگر وہ اپنے خیال سے چونکی، چاندنی کھجور کے درختوں سے چھن چھن کر گری اور جھنجوڑا لیکن تخیل کے اس سرسبز چمنستان نے جس میں ادہم کی محبت کا پھول کھلا ہوا تھا اس کو باہر نہ نکلنے دیا۔ ماں کی اس آواز نے کہ "مریم یہاں آؤ" اس کے بنے بنائے گلدستوں کو اجاڑ دیا اور وہ حیران و پریشان ماں باپ کے سامنے آ بیٹھی۔

موسیٰ: "بیٹی مریم گو میری دلی آرزو یہی تھی کہ تمہاری شادی ادہم سے

ہو مگر تم دیکھ رہی ہو کہ مچل کا قرضہ ہزاروں تک پہنچ گیا اور قحط نے جان پر بنا دی ہم نے کئی کئی وقت کے فاقے کیے مگر کب تک کرتے۔ جب کوئی صورت گزارے کی نہ دکھائی دی تو اس کی طرف رخ کیا۔ اب میں چونکہ قول دے چکا ہوں اور وہ متقاضی ہے، آئندہ اتوار کو میں یہ رسم ادا کرتا ہوں اور میری دعا ہے کہ تم اپنی آئندہ زندگی مچل کے ساتھ بہ خیر و خوبی بسر کرو۔

(۵)

جامع ایا صوفیہ کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد میں پندرہ بیس ترک ہشاش بشاش سلطان عبدالحمید کے دوران حکومت پر مختلف رائیں دے رہے ہیں عصر کی نماز ہو چکی ہے اور آفتاب اپنے فرض منصبی کو انجام دیتا ہوا مغرب کی طرف لپکا جا رہا ہے کہ دفعتاً ادہم، مریم کو ساتھ لیے مسجد میں داخل ہوا مریم اس وقت عروسی پوشاک میں تھی اور دلہانی لباس غضب ڈھا رہا تھا اس کے اندر آتے ہی ایک سفید ریش بزرگ آگے بڑھے اور کلمہ طیبہ پڑھا کر مشرف باسلام کیا جس پر تمام حاضرین نے آفرین و مرحبا کے نعرے لگائے اور اس کے بعد مریم کا نکاح ادہم سے شرع اسلام کے بموجب پڑھا دیا گیا اور وہ بجائے والدین کے خدا کے گھر سے سسرال سدھاری۔

مریم نے اب اپنے شوہر ادہم کے ساتھ قسطنطنیہ میں زندگی بسر کرنی شروع کی مگر اس واقعہ نے موسیٰ اور مچل کے دل میں تہلکہ ڈال دیا۔ مچل کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ اس نے بڑھے موسیٰ کو اپنے روپیہ کے عوض جیل خانہ بھجوا دیا اور موسیٰ کے پاس اس کے سوا کوئی تدبیر نہ تھی کہ اس نے ادہم پر اغوا کا دعویٰ دائر کیا۔

مچل گو اپنی امیدوں سے مایوس ہو چکا تھا مگر ادہم کو سزا دلانے کے واسطے

دوران مقدمہ میں ہر طرح موسیٰ کے ساتھ رہا۔ یہ ثابت ہونے پر کہ مریم سن بلوغ کو پہونچ گئی دعویٰ خارج ہوا مگر مچل نے قسم کھائی کہ موسیٰ چاہے جیلخانہ میں سڑ کر مرجائے مگر وہ اپنے مطالبہ سے دست بردار نہ ہوگا۔

(۶)

ان باتوں کو برسوں گذر گئے، سلطان عبدالحمید خاں معزول ہو کر سالونیکا پہونچے انجمن اتحاد و ترقی کا دور دورہ ہو گیا۔ غازی انور بے کے گیت گائے جانے لگے۔ قسطنطنیہ کی حالت میں زمین و آسمان کا فرق ہو گیا۔

ایک روز جب موسلادھار بارش ہو رہی تھی اور کالی کالی گھنگھور گھٹائیں آسمان پر چھائی ہوئی تھیں بجلی رہ رہ کر چمک رہی اور بادل تھم تھم کر گرج رہا تھا۔ گو رات کا پہلا پہر تھا۔ مگر ہوا کی سائیں سائیں آدھی رات کا سماں بنا رہی تھی۔ مریم جو اس وقت زندگی کے دو پھولوں کی مالک تھی گود کے بچے کو لوری دے رہی تھی۔ زبان ترکی تھی مگر مضمون قریب قریب یہ تھا،،

" جا ہی پڑو گے دنیا کے دھندے، کٹ پالنا۔ کٹ نیند۔

" سو میرے بھولے تو سو میرے بالے ،،

" آ جا ری آنکھوں میں نیند ،،

بچہ سو گیا تھا، لوری ختم نہ ہوئی تھی، مینہ زور شور سے پڑ رہا تھا کڑک اور چمک کا دور دورہ رہی تھا کہ کوئی شخص مریم کے کمرہ میں داخل ہوا جس کی صورت دیکھتے ہی مریم یہ کہتی ہوئی بیتابانہ دوڑی "میری محترم والدہ،،

ما۔ مریم خبردار مجھے ہاتھ نہ لگائیو! اشقی القلب بیٹی تیرا وجود ہمارے واسطے باعث عذاب ہوا! نفس کی مغلوب بیٹی تیری اور محض تیری بدولت ہمارا بڑا بابرباد ہو گیا۔ تو اور تیرے افعال یقیناً اس قابل نہیں کہ انسانیت کا اطلاق تجھ پر ہو سکے!

مریم تجھ سے بروسہ کے کتے بدرجہا بہتر ہیں جو محسن کشی کے الزام سے محفوظ ہیں بہت بہتر ہوتی موت ایسی زندگی سے جو تجھ جیسی ناہنجار بیٹی کے بعد قدرت نے مجھکو دیتی! تو نے نہ صرف قریتہ الیہود کو بدنام کیا بلکہ تمام خاندان کی جڑ سے ناک کاٹ دی! اے جفا شعار بیٹی سنگ دل مریم تجھے دنیا میں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے ایسی حالت میں کہ تیرا بڈھا باپ محض تیری وجہ سے جیلخانہ میں پڑا ہے مرجا! اے مریم مرجا! زمین شق ہو اور تو سما جا"

"تثلیث جس کا ہمارا چولی دامن کا ساتھ تھا، تو نے اس کو چھوڑا اور ساتھ دیا ایک ایسے مذہب کا جس سے لغو اور فضول مذہب دنیا میں کوئی نہیں۔ ماں کی گود سے پل کر اور بڑھکر آج تو اس قابل ہو گئی کہ اپنے بچہ کو لوری دے رہی ہے۔ یقین کر اور لکھ رکھ کہ اس کا دودھ تجھ پر حرام ہے۔ اس وقت تک جب تک کہ تو اپنے اس باپ کو جو صرف تیرے کارن جیلخانہ بھگت رہا ہے رہا نہ کروا دے۔ مچل اس بات پر آمادہ ہے کہ اگر تو ایک دفعہ اس کے پاس چل کر معافی مانگ لے تو مریم تیرا باپ قید کی مصیبتوں سے نجات پائے۔ مچل آج پندرہ روز کے واسطے اپنے حقیقی ماموں کے پاس جو سلطنت اطالیہ کا وزیر جنگ ہے روم روانہ ہو گیا اور تو یاد رکھ کہ اگر اب بھی تو اپنے افعال سے تائب نہ ہوئی تو بہت قریب ہے وہ وقت کہ اٹلی تیرے ساتھ تمام ٹرکی کو مزہ چکھادے"

(۷)

ستمبر ۱۹۱۱ء ختم ہو رہا ہے اٹلی کے خونخوار حملہ نے طرابلس کے مسلمانوں کو خانماں برباد کر دیا۔ قسطنطنیہ میں بچہ بچہ کی زبان پر یہی چرچا ہے آبنائے باسفورس کے کنارے شام کے قریب ادہم اپنی بیوی مریم کو ساتھ لئے غروب ہوتے ہوئے آفتاب کا لطف اٹھا رہا ہے ہوا کی رفتار دھیمی تھی اور پانی اطمینان سے بہہ رہا تھا۔ دونو

میاں بیوی ابنائے کے کنارے کنارے اس طرف نکل گئے۔ جہاں چند کھجور کے درختوں کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ مریم نے رخ نازک سے نقاب اٹھائی ادہم کو دیکھا اور کہا:۔

"کیسی خوشگوار ہوا ہے"؟

ادہم "مگر میری رقیب ہے اس لئے کہ ان سیاہ بالوں کے ساتھ جو صرف مجھ سے کھیلنے کے لئے بنائے گئے ہیں چھیڑ چھاڑ کر رہی ہے"

مریم "تم کو ہر وقت ایسی ہی باتیں سوجھتی ہیں۔ ہاں بتاؤ؟ تم نے طرابلس کے متعلق کیا فیصلہ کیا حمیت اسلام تم سے گئی گذری ہوئی اور ایسی حالت میں کہ ظالم اطالیہ تمہارے بہن بھائیوں پر ایسے ستم توڑ رہی ہے تم اپنی زندگی کی پروا کرتے ہو اس وقت کو یاد کرو جب ۶۶۸ھ میں حضرت ایوب انصاری علمبردار اور چند بادیہ نشین عرب دارالخلافہ قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوئے اور بہ حالت ناکامی ان کی زبانوں سے یہ لفظ نکلے کہ ہمارے خون کا ہر قطرہ جو اس سرزمین پر گرا ہے ہرگز ضائع نہ ہوگا۔ ہم بیج بو چلے ہیں اور قریب آرہا ہے وہ وقت کہ اس خون سے سرسبز و شاداب پھول کھلیں گے اور چمنستان اسلام اس سرزمین پر لہلہا رہا ہوگا۔ ہمارے رسول (صلعم) کا ارشاد پورا ہوگا اور آیا سمجھو وہ وقت کہ مسلمان اس ملک کے مالک ہوں گے"

ادہم! پیارے ادہم! آخر میرے نہیں تمہارے باہمت شجاع سلطان محمد ثانی کی تلوار آٹھ سو برس کے بعد ۱۴۵۳ء میں اس سرزمین پر چمکی حسن و اعتقاد کے دریا اس کے دل میں لہریں لے رہے تھے اور حدیث نبوی کی تکمیل اس کا یقین کامل تھا اس کو جو کچھ کرنا تھا وہ کر گیا اور اب تمہارا فرض ہے کہ اسلام کی لاج رکھو اور اس سے پہلے کہ طرابلس پر اطالیہ قابض ہو تم اپنے ملک اور قوم پر سے قربان ہو جاؤ"

مریم کی یہ گفتگو تیر کی طرح ادہم کے کلیجہ میں گڑ گئی۔ مگر ساتھ ہی اسکی بدگمانی نے اس کا حوصلہ پست کر دیا اور اُسے یقین ہو گیا کہ مجھ کو طرابلس بھیجنے کے بعد مریم مچل سے معافی مانگنے کے لئے قرنیۃ الیہود جانا چاہتی ہے وہ خاموش ہو گیا اور کچھ جواب نہ دیا۔

(۸)

۲۸ اکتوبر ۱۹۱۱ء کی وہ تاریخ جس میں الطالیہ نے طرابلس میں قتل عام کیا ہے ٹھیک وہی پندرہواں روز تھا جب مچل کے واپس آنے کی خبر تھی۔ قسطنطنیہ کے در و دیوار اپنے بیکس اور بے بس بھائیوں پر خون کے آنسوؤں سے رو رہے تھے اور شجاعان عرب تلوار کے قبضہ پہ ہاتھ رکھے ہوئے چاروں طرف غصہ میں جھومتے پھرتے تھے۔ گو طوفان خیز سمندر بیچ میں حائل تھا مگر الطالیہ کے مظالم ان کی آنکھ کے سامنے تھے۔ دانہ پانی ان پہ حرام تھا ہر چند کوشش کرتے تھے کہ میدان جنگ میں پہنچ جائیں۔ مگر کوئی راستہ نظر نہ آتا تھا۔ مغرب کی نماز سے فراغت پاکر ادہم ان ہی خیالات میں غلطاں و پیچاں گھر کی طرف لوٹا۔ آخری فیصلہ جو اس نے اپنے دل میں کیا یہ تھا کہ مریم چند روز کے واسطے قاہرہ چلی جائے تو میں نہایت خوشی سے میدان جنگ میں پہونچ جاؤں۔ یہ فیصلہ چونکہ مریم کی مرضی کے عین مطابق تھا وہ شاداں و فرحاں گھر میں داخل ہوا۔ مگر دیکھتا کیا ہے کہ مریم اور بڑا بچہ محمود دونوں غائب ہیں۔ ہاں مریم کی یادگار اور گیارہ برس کی محبت کا آخری ثمر شبیر خوار بچہ ننھا دودھ کے تڑپ رہا ہے۔

ادہم کی آنکھوں میں یہ دیکھ کر دنیا اندھیر ہو گئی بچہ کو گود میں اٹھایا۔ بہلانے ہر چند کوشش کی مگر اس مظلوم کی زبان تالو سے نہ لگی بہتیری کوششیں کیں دودھ پلانا چاہا لیکن ماں کی گود کا فراق آخر جان ہی لے کر ٹلا۔

تاروں بھری رات ادہم کے سر پہ تھی اور ہوا کا ہر جھونکا مریم کی بے وفائی اور قریبۃ الیہود کی بے اعتنائی کی صدا دے رہا تھا احمد رات کے آخری حصہ میں بدنصیب باپ کی گود میں تھا کہ ہچکی آئی اور گیارہ مہینہ کا لال باپ کی گود میں دودھ کو ترستا اور باپ کا منہ تکتا دنیا سے رخصت ہوا۔

قریبۃ الیہود کی خاک چھانی قسطنطنیہ کی گلیاں اور کوچے دیکھے۔ ممکن کوششیں کر ڈالیں اور مریم کی تلاش میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ مگر جدھر پہنچتا تھا ناکام اور جہاں جاتا تھا مایوس مریم جیسی بیوی کی دغا ادہم کی زندگی پر ایسی بجلی گری جس نے خرمن ہستی کو جلا کر خاک کر دیا۔ اب بقیہ زندگی زہر معلوم ہونے لگی اور بالآخر دل نے صدا دی کہ اس دنیا کو سلام اور اس کے تعلقات کو الوداع مگر ساتھ ہی خیال آیا کہ خودکشی حرام موت ہے طرابلس پہونچکر شہادت کا درجہ حاصل کروں اور ملک و قوم پر سے فدا ہو جاؤں۔ اس خیال کی تکمیل میں اب کیا چیز سدّراہ تھی۔ بھیس بدل مصر کی راہ لی اور شروع نومبر میں نخلستان جا پہنچا۔

(۹)

اللہ اللہ پچیس تیس ہزار خانماں برباد ناواقف اور معمولی عرب اور ترکوں کے مقابلہ میں ایک لاکھ مسلح فوج آمادہ پیکار ہے۔ جس کے آرام و آسائش کی ذمہ دار سلطنت ایطالیہ ہے غازی انور بے جس کا نام اس وقت تک جبکہ عالم فانی کی نا پائیدار روحیں اپنے اعمال و افعال کی بازپرس کے واسطے میدان حشر میں جمع ہوں۔ قمر چہاردہم کی طرح صفحہ تاریخ پر چمکے گا۔ ان بدنصیب عربوں کو جن کے بھائی بہن ایطالیہ کے ہاتھوں موت کی چاشنی چکھ چکے اور جن کی عمریں کاشتکاری میں بسر ہوئیں ادھر اُدھر سے جمع کر رہا ہے اور ان سے کہہ رہا ہے کہ شجاعان عرب تمہاری رگوں میں آج تک ہاشمی خون دوڑ رہا ہے ایطالیہ نے جس بے رحمی اور سنگدلی سے تمہارے گھر اجاڑے

ہیں اس کا جواب دو یا مر جاؤ۔"

۲۵ دسمبر سنہ ۱۱ء کو جب تمام مسیحی دنیا رنگ رلیاں منا رہی تھی، روسیاہ جنرل کنیوا کے حکم سے اطالیہ کی ایک پلٹن طرابلس کے اندرونی حصہ میں روانہ ہوئی اور چند بڈھوں اندھوں ضعیفوں اپاہجوں معصوموں اور عورتوں کو پابہ جولاں دشمنوں کے حضور میں لائی مریض جسمانی تکالیف سے کراہ رہے تھے اور عصمت کی دیویاں اس لیے کہ ہاتھ بندھے ہوئے تھے اپنے منہ بغلوں میں چھپا رہی تھیں۔ مرد صف بستہ کیے گئے۔ بچوں کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالی گئیں اور عورتیں برہنہ کی گئیں طرابلس کی زمین کا ہر ذرہ اپنے ہم وطنوں پر خون رو رہا تھا کہ گولیوں کی باڑ نے ان مظلوموں کو شربت شہادت پلا دیا۔

(۱۰)

شہسوار مشرق جس روز اپنے ساتھ حضرت مسیح علیہ السلام کے انیس سو گیارہ سال ختم کرنے کے بعد بارہویں سال کا پیغام لایا ہے غازی انور بے تین ہزار کے قریب عرب اور ترکوں کو ساتھ لے کر اطالیہ کے اس مورچہ پر ٹوٹ پڑا جس کی حفاظت کے واسطے اٹھارہ ہزار مسلح لشکر موجود تھا ساحل کی جنگی توپیں مجاہدین پر آگ برسا رہی تھیں اور ایک نوعمر ترک مشکی گھوڑے پر سوار بآواز بلند پکار رہا تھا "بہادرو! کلمہ طیبہ کی حفاظت میں گولے اپنے سروں پر لو اور سنگینیں اپنے کلیجوں پر عمر فاروقؓ علیؓ مرتضیٰ خالد ابن ولیدؓ کے جانشین آج تم ہو، قدم پیچھے نہ ہٹے بزدل اطالیوں کے چھکے چھوٹ چکے ہیں آگے بڑھو پہنچ گئے تو طرابلس کے مالک کام آئے تو درجہ شہادت چلو چلو کلمہ شہادت پڑھو اور بڑھ چلو"

اطالیہ نے بھی اس موقعہ پر غیر معمولی شجاعت دکھائی دونوں طرف سے توپخانہ اپنا کام کر رہا تھا اور جری ترک پہاڑ کی طرح جمے رہے تھے کہ دفعتہً نائب کمانڈر وہی نوجوان گھوڑے کو مہمیز کرتا توپچی کی طرف چلا غضبناک گولے برس رہے تھے مگر اس کا قدم

پیچھے نہ ہٹتا تھا آناً فاناً بہادر توپچی کے سر پر تھا اور سپاہی تلوار اس کی گردن پر داہنی طرف کی گولہ باری بند ہوتے ہی مجاہدین الا اللہ کے نعرے لگاتے ہوئے مورچے پر جا پہونچے اور ہزاروں اطالیوں کو تہہ تیغ کر دیا۔

اس مورچے کی فتح وہ فتح ہے جو یکم جنوری کو ترکوں کے لشکر فوج ظفر کو حاصل ہوئی مگر فتح کے بعد وہ چند لمحہ نہایت درد انگیز تھے جب زخمی نائب کمانڈر ایک لاش کو خاص اہتمام سے دفن کر رہا تھا۔

غازی انور بے "یہ آپ کا کوئی عزیز ہے؟"

نائب کمانڈر "جی ہاں! یہ میرا شوہر ادہم ہے"

انور بے "شوہر؟"

نائب کمانڈر "جی ہاں! میں قرنیۃ الیہود کے مشہور رئیس موسیٰ کی بیٹی مریم ہوں جو اسلام پر ایمان لائی اور ادہم سے نکاح کیا ۲۸ اکتوبر کے خونریز واقعہ کی خبر مجھ کو قسطنطنیہ میں پہونچی اور میں بلا اطلاع ادہر روانہ ہوگئی۔ بڑا بچہ جو میرے ساتھ ہے ابھی جنگ میں شریک ہے لیکن چھوٹا بچہ چونکہ شیر خوار تھا اسکو وہیں چھوڑ آئی ادہم میرے بعد اس لئے کہ شرکت جنگ میری خواہش تھی بھیس بدلکر یہاں آیا افسوس میں اس سے صرف اس وقت مل سکی جب وہ دم توڑ رہا تھا اور مجھے صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ احمد جس کو میں گھر میں چھوڑ آئی تھی۔ اسی رات مجھ سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا"

زخمی مریم کی تقریر سے تمام لشکر میں ایک سناٹا چھا گیا عرب اور ترک اس کے پاؤں آنکھوں سے لگا رہے تھے اور اب مریم اپنے بڑے بچہ محمود کو ڈہونڈہنے نکلی مگر جب وہ زندہ نظر نہ آیا تو لاشوں کی طرف گئی اور ایک لاش کو دیکھ کر ٹھٹکی۔ یہ اس کا لخت جگر محمود تھا۔ یہ متواتر صدمات بجائے اس کے مریم کے استقلال کا خاتمہ کر دیتے اس کے اسلامی جوش میں اور زیادہ مددگار ثابت ہوئے۔ محمود کو دیکھ کر وہ جوش

مسرت میں بے ساختہ چیخ اٹھی "الحمد للہ"، مگر جو زخم اس کے لگے تھے وہ ایسے کاری تھے کہ مریم جانبر نہ ہو سکی اپنی موت کا یقین ہو گیا تو شہید مغرب نے اپنے دیور کو یہ خط لکھا

کاظم آفندی! تم لوگ سمجھ رہے ہو گے کہ مکار بھاوج دغا دے گئی۔ آخر یہودن تھی، دھوکہ باز نکلی، مگر! تمہیں تعجب ہو گا یہ سن کر کہ بھاوج اس نمک کا حق ادا کر رہی ہے جو کلمہ توحید نے اس پر اس وقت مقرر کیا، جب وہ خانہ خدا میں اسلام لائی۔

احمد کی موت کانوں سے سنی، ادہم اور محمود آنکھوں کے سامنے شہید ہوئے۔ عمر بھر کی کمائی چشم زدن میں برباد اور گیارہ برس کا ساتھ ایک آن واحد میں ہمیشہ کو چھوٹ گیا! بھری گود خالی اور پر لطف زندگی اجاڑ ہو گئی، قسطنطنیہ کے عالیشان مکانوں میں آرام کرنے کے بجائے اب ہم نخلستان کے درختوں میں بسیرے لے رہے ہیں! ہوا کے طوفان آسمانی اولے اور مینہ کی جھڑیاں ہمارے سروں پر ہیں۔ گھوڑوں کا دانہ ہماری خوراک ہے اور جنگل کا گھاس پھوس ہمارا اوڑھنا بچھونا! آنکھیں ادہم کی صورت کو اور کان پیارے بچوں کی آواز کو ترس گئے۔ مگر دل اس نبی برحق ﷺ کی محبت میں چور ہو رہا ہے، جس کے دندان مبارک شہید ہوئے اور جس کے پاک سر سے خون کی تلیاں بہیں!!

کاظم آفندی تم اور نہ تمہارے وہ بھائی جو مسلمان ہونے کے مدعی ہیں کس دل سے آج کل پیٹ بھر کے کھا رہے ہیں جب انکے رسول ﷺ کے کلمہ گو بھائی بہنوں کو کئی کئی وقت کے بعد مٹھی بھر دانے

میسر آتے ہیں۔ کاظم آفندی ایک یہودن کے دودھ سے پلنے والی عورت نے جنے، تمہارے اسلام پر اپنے لال نثار کئے۔ شوہر کی قربانی چڑھائی با آواز بلند کہتی ہے کہ تمہارا کھانا تم کو حرام ہے۔ جب تک تم اپنے دستر خوان سے ایک روٹی اٹھا کر ان خانماں برباددوں تک نہ پہونچاؤ۔ جو اپنے کلیجوں کے ٹکڑے برابر کے بھائی بڑھے ماں باپ گنوا کر صرف لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی حفاظت کر رہے ہیں!

کیوں! کاظم آفندی کیا وہ لوگ تمہاری ہمدردی کے مستحق نہیں جو اپنے خون بہا کر طرابلس کی مسجدوں کو اس وقت بچا رہے ہیں کہ ان میں اللہ اکبر کے بدلے تثلیث کی آوازیں گونجیں؟

کاظم آفندی! جب تمہارے دستر خوان انواع و اقسام کے کھانوں سے چنے ہوئے ہوں تو ان مصیبت ماروں کو یاد کر دجو کڑاکے کے فاقوں میں اس سچے پیغمبر کے دین کی حمایت لے رہے ہیں۔ جس کا کلمہ تم پڑھتے ہو۔ یہ وہ بدنصیب ہیں جن کے گھر لٹ گئے! جن کے پیارے چھپٹ گئے۔ جوان جوان بیٹے انکی آنکھوں کے سامنے سے اٹھ رہے ہیں اور عصمت کی دیویاں انکے سامنے شہید ہو رہی ہیں۔

"تمدن" فروری ۱۹۱۲ء

مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیری مدظلہ کی تصنیف

سیّدہ کا لال

اردو زبان میں بے مثل شہادت نامہ

شہادت کی مکمل تاریخ حضرت علامہ محترم کی بے مثل نئی کتاب حصہ اوّل مکمل تاریخ شہادت ہے حضرت امام حسین کی نانی ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ کے اسلام پر احسانات جناب سیدہ کے فضائل سرور کائنات صلعم کی رحلت، حضرت عثمان اور حضرت کی خلافت حضرت عمر و حضرت عثمان حضرت علی کی شہادتیں اور دردناک مرثیے جنگ جمل، جنگ صفین کا مکمل بیان، شیعہ سنی اختلافات کی ترقیاں، بنی امیہ کی کوششیں امیر معاویہ کی سیاست، امام حسن کی شہادت، یزید کی حکومت کی پوری کیفیت غرض پہلے حصہ میں معرکہ کربلا کے پہلے تمام اور صحیح مستند واقعات نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں جن سے واقعہ کربلا کے صحیح اسباب ذہن نشین ہو جاتے ہیں - دوسرا حصہ مراثی کربلا، حضرت مسلم اور ان کے بچوں کی شہادت، سیدہ کے لال کی مدینہ سے روانگی حضرت حُر کی شہادت، بی بی زینب کا میدان کربلا میں بے مثل ایثار، ان کے بچوں کی شہادت، شہادت حضرت عباس، شہادت حضرت قاسم، شہادت حضرت علی اکبر، کربلا کا ننھا شہید - کربلا کا ننھا شہید - بیمار صغرا کا قاصد، سیدہ کے لال کی شہادت، خانماں برباد سیدانیاں، ابن زیاد اور یزید کے دربار، شیعہ سنی اختلافات پر تبصرہ - قاتلان حسین کا انجام اور خدائی فیصلہ، یوں تو تمام کتاب اس قدر دردانگیز ہے کہ بغیر آنسو بہائے نہیں پڑھی جا سکتی - مگر نثر میں جو مرثیے علامہ محترم نے لکھے ہیں ان کی ایک ایک سطر کلیجہ کے پار ہو جاتی ہے آمنہ کے لال لال میں بھی کوئی واقعہ خلاف عقل نہیں تعلیمیافتہ عورتیں اور مرد شیعہ ہوں یا سنی شہادت کی یہی کتاب اب پڑھتے ہیں قیمت دو روپے (مجلد ۲ٰ) قسم دوم عہ

ملنے کا پتہ :- دفتر عصمت کوچہ چیلان دہلی

دو آسمانی مسافر

۲۵ دسمبر ۱۹۱۱ء کا چندر گہن جس نے تمام یورپ میں صبح صادق کے وقت ایک تہلکہ برپا کر دیا تھا اپنی نوعیت کے اعتبار سے یقیناً بے مثل تھا جو پردہ دنیا پہ بلائے ناگہانی کی صورت میں ظاہر ہوا، قریب آ گیا تھا وہ وقت کہ شجاع مشرق اپنے نازک خنجر سے دامان شب آناً فاناً چاک کر دے۔ نسیم اٹھلا اٹھلا کر مژدہ صبح لا رہی تھی، شمع کافوری جھلملا جھلملا کر صحبت شب کو الوداع کر چکی تھی اور وہ گل نو شگفتہ جو رات کے ابتدائی حصہ میں حسن عروسی کی زیب و زینت کو دوبالا کر رہے تھے شب مسرت کے فراق کا پیغام پہونچا چکے تھے، کہ پورنماشی کا چاند گہنانا شروع ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے زمین و آسمان تیرہ و تار ہو گئے۔ نہ معلوم برج عقرب کب کا منہ کھولے بیٹھا تھا کہ ٹپکتے ہی شربت کے گھونٹ کی طرح نگل گیا۔ اور کوہ الپس کے دامن میں جس پر چادر مہتاب آب و تاب سے پھیلی ہوئی تھی، اندھیر چھا گیا۔ کچھ ایسا سناٹا ہوا کہ بلبل بیمار جو لہک لہک کر صبح کا استقبال کر رہی تھی آشیانہ میں جا دبکی۔ زمین وجہ گرہن ضرور تھی مگر چاند کی بے بسی پر آٹھ آٹھ آنسو رو رہی تھی۔ آسمان بیگناہ تھا یا نہ تھا۔ مگر عقرب کے مظالم کی تاب نہ لا سکا۔ تارے ٹھنڈے سانس بھرتے ہوئے بساط فلک پر تڑپ تڑپ کر دم توڑ رہے تھے کہ قمر مظلوم نے پلٹا کھایا۔ عقرب کے اس سینہ کو جو فولاد سے زیادہ سخت تھا۔ ہلالی ناخنوں سے چیرتا ہوا باہر نکلا۔ قریب تھا کہ نظام عالم فتح و نصرت کا سہرا قمر چہاردہم کے سر باندھ دے کہ آفتاب سیہ رو بہر برج عقرب کی حمایت میں فضائے مشرق کے ہوائی جہاز میں بیٹھ کر بلند ہوا اور دن کا پردہ ڈالکر

کروڑوں دل پژمردہ کر دیئے۔

آفتاب و رفقائے آفتاب کے علاوہ جن کے جاہ و جلال کا سکہ ہر چہار طرف بیٹھا تھا۔ چھوٹے چھوٹے بے شمار ستارے چاند کے ساتھ جانیں لڑاتے ہوئے تھے اور منتظر تھے کہ اس وقت کے ماہتاب کو اسی چمک دمک سے اپنے تخت پر جلوہ گر دیکھیں۔

(۲)

دن کے دو بجے ہوں گے کہ وائرلیس ٹیلیگرافی کے انچارج سپرنٹنڈنٹ نے صیغہ خارجیہ کے وزیر کا یہ اعلان مشتہر کیا۔ حدود قمری کے برج عقرب کا حملہ گو تعجب انگیز و مضحکہ خیز سب کچھ تھا لیکن امن و انصاف کے مدعی آفتاب نے جس ہٹ دھرمی سے دنیا کی آنکھوں میں خاک جھونکی ہے اس نے یقین دلا دیا کہ حرارت آفتاب کے بل پر پھولنے والی تمام طاقتیں متفقہ کوشش کر رہی ہیں کہ قدرت کے انتظام کو پلٹ دیں اور رات کا سایہ عاطفت جو تھا، حیات انسانی کے واسطے لازم ہے صفحہ ہستی سے ناپید کر دیں وہ فلسفہ قدرت کے اس مسئلہ سے بالکل بے خبر ہیں کہ جب تک ان کا وجود دنیا میں ہے ہمارے شہنشاہ معظم کی آب و تاب دن دونی اور رات چوگنی ترقی کرتی رہے گی ہمیں اس بات کا اعتراف کرنے میں تامل نہیں کہ آفتاب اپنی لگاتار کوششوں تحقیقوں اور تجربوں سے انسانی دنیا کے دل مسخر کر چکا ہے وہ ہر قسم کے آلات حرب سے مسلح ہے دنیا کے بڑے حصہ کی ہمدردی اس کے ساتھ ہے لیکن اس کو یاد رکھنا چاہیئے کہ وہی کھیتیاں جو اس کی تمازت سے پک کر تیار ہوتیں اگر انصاف سے کام لیں گی تو بلاشبہ اس کے ان افعال پر لعنت بھیجیں گی گو ہمارے شعار ہم کو یہ کہنے کی اجازت نہیں دیتے کہ روز روشن میں ہماری طاقت نہ صرف کمزور بلکہ صفر ہے۔ لیکن ہم اس بات کے متمنی ضرور ہیں کہ کاش شب ماہ میں

ہماری مٹ بھیڑ اقلیم آفتاب کے شہ زور تاجداروں سے ہو جائے۔

چونکہ ہمارے سلطان قمر اوّل خلد اللہ ملکہٗ عقرب کے کمینہ حملے سے ہر طرح محفوظ رہے اس خوشی میں آج رات کو لائٹ پارک میں ایک جلسہ اس غرض سے منعقد ہوگا کہ تمام خیر خواہان مملکت قمری اس معاملہ پر غور وخوض کریں۔ ممالک آفتابی کے تمام سفرا خصوصیت سے اس جلسہ میں مدعو کئے گئے ہیں۔

(۳)

برج سرطان کو چھوڑ کر تمام آفتابی طاقتیں عقرب کے ساتھ تھیں ان کو یقین تھا کہ عقرب کے صرف حملہ کی دیر ہے ممالک قمری کا یہ حصہ جو سوئے بازار نولیس کے نام سے مشہور ہے یقیناً شعاعی طاقتوں کے زیر نگیں ہوگا یہ ہی وجہ تھی کہ گرہن کے وقت جب عقرب نے نولیس پر حملہ کیا قمر اوّل نے ہر چند کوششیں کیں چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ مگر اعانت تو درکنار کسی نے بات تک نہ پوچھی۔ کینہ دوز عقرب کی پھنکاروں نے نولیس کے پہاڑ پرزہ پرزہ کئے۔ زمین تخت و تاراج کی مگر آفتاب سیہ کار کے کان پر جوں نہ چلی۔ اس بے ایمانی کا یقینی نتیجہ یہ تھا کہ خود ممالک آفتابی کی رعیت اپنے تاجداروں پر لعنت برسانے لگی اور واقعات نے آواز بلند پکار دیا کہ بے ایمانوں کا وجود تحت الثریٰ ہی میں نہیں بہت جگہ موجود ہے۔

(۴)

کرائسٹ بلڈنگ جو لائٹ پارک کا قابل ناز حصہ تھا نہایت تزک و احتشام سے آراستہ کیا گیا۔ مگر موسم زیادہ گرم ہونے کی وجہ سے یہ اوپن ایر میٹنگ ایسی جگہ منعقد ہوئی۔ جہاں سے اطراف و جوانب کی بہار اچھی طرح نظر آسکے۔ آفتاب کے غروب ہوتے ہی پلیٹ فارم ستاروں سے بھرا ہوا تھا جو اپنے زرق برق ڈریس میں جگمگا رہے تھے دس بجے کے قریب لارڈ دسٹار منسٹر اوف وار کا داخلہ ہوا

جس پر قطبی ستاروں کے گارڈ آف آنر نے سلامی دی۔ ٹھیک آدھی رات کے وقت سوتا سنسار جاگتا پروردگار، آدھی رات اِدھر اور آدھی رات اُدھر ہز مجسٹی ملکہ مشتری کی تشریف آوری کا غلغلہ بلند ہوا۔

مریخ کی تحریک اور زہرہ کی تائید سے جس میں تمام اوڈینس کی انتہا شامل تھی ہر میجسٹی نے کرسی صدارت کو رونق بخشی اور چاروں طرف سے گوڈ سیو دی کوئن کے نعرے بلند ہوئے۔

لارڈ سٹار کی منسٹریل سپیچ اور اس کے بعد جو مختلف تقریریں ہوئیں۔ ان کا اعادہ فضول سمجھ کر ہم صرف ہر میجسٹی کی اسپیچ نقل کرتے ہیں۔

شائننگ سٹارز اینڈ سفیرز:۔

"جس محبت و خلوص سے آپ صاحبان نے میرا خیر مقدم کیا میں اس کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئی میں ضرور آپ کا یہ محبت آمیز پیغام شہنشاہ معظم کی خدمت میں پہنچا دوں گی۔

گرہن پر آپ صاحبان کا اس قدر اضطراب اس خیال سے کہ وہ وفاداری کا کافی ثبوت ہے۔ ہمارے دلی شکریہ کا مستحق ہے مگر یہ کیفیت جس نے آپ کو اس قدر پریشان کیا محض ایک عکس ہے۔ ان واقعات کا جو آج کل انسانی دنیا پر گزر رہے ہیں ہم کو اپنے معاملات کا مطلق اندیشہ نہیں۔ نظام عالم ہمارے نفاذ قیام کا ذمہ دار ہے۔ ہمیں اگر کوئی گزند پہنچ سکتا ہے تو اسی وقت جب تمام آفتابی سلطنتیں کسی نہ کسی مرض میں گرفتار ہو جائیں۔ لیکن افسوس کے قابل وہ اصلی واقعات ہیں جن کے عکس نے آپ کے دل دہلا دیئے آپ صاحبان کو اپنے افکار و فرائض سے اتنا وقت بہ مشکل مل سکتا ہوگا کہ آپ انسانی دنیا کا کبھی مطالعہ کریں یا کسی محدود قطعہ زمین کی کیفیت ملاحظہ فرمائیں۔ لیکن آدھی رات کے سناٹے میں جب مطمئن

دنیا کا بڑا حصہ نرم نرم بستروں پر آرام کرتا ہے میں آج کل ان حالات کو دیکھتی ہوں سا جس کے خیال سے کلیجہ منہ کو آتا ہے اور مجھے امید ہے کہ آپ لوگ بھی ان جگر خراش واقعات کو سن کر اپنی بپتا بھول جائیں گے یہ سرزمین طرابلس الغرب جو آپ کی آنکھ کے سامنے ہے اس پر نظر ڈالئے اور ان بدنصیب فدائیان وطن کو دیکھئے جو جنگلوں میں پڑے اپنے وطن کی حفاظت کر رہے ہیں تو مہینہ کا عرصہ گذرا کہ بے ایمان اطالیہ نے عیسائی طاقتوں کی مشفقہ صلاح و مشورہ سے ان بدنصیبوں پر حملہ کیا اور اپنا رعب بٹھانے کے واسطے سینکڑوں اور ہزاروں مظلوم اور معصوم بچے اور بوڑھے عورتیں اور مرد تہ تیغ کر دیئے۔

سرزمین طرابلس کا ہر ذرہ اور طرابلس پر چھایا ہوا آسمان قیامت تک خون کے آنسو روئے گا۔ ان معصوموں پر جو اطالیہ کے ظالم ہاتھوں نے ماں کی گود سے جدا کر دیئے اور نخلستان میں ان کی لاشیں بے گور و کفن سڑتی رہیں۔

ایک رات کا ذکر ہے دو بج چکے تھے ابر غلیظ آسمان پر چھایا ہوا تھا۔ سمندر کے اس کنارہ پر جہاں کوسوں انسان کا گذر نہ تھا حسن کی ایک مجسم تصویر جس کے دونوں رخساروں پر شباب کی مسکراہٹ کھیل رہی تھی مجھ کو نظر آئی۔ بحر ذخار اس کے سامنے تھا ہوا سمندر کی لہروں سے اٹکھیلیاں کر رہی تھی اور زیتون کے درخت تالیاں بجا بجا کر اس کا خیر مقدم کر رہے تھے۔

رات اندھیری اور ڈراؤنی تھی موسم ٹھنڈا اور قیامت خیز، ہوا پانی میں ڈوبی اور خنک، مگر یہ ماہ کنعان حیران و پریشان ساکت کھڑی تھی۔ اس کی صورت ظاہری ثبوت تھی اس فراق ابدی کا جس کے ظالم تیر ناتجربہ کار دل کے پار ہو رہے تھے دیوانگی اس کے سر پر کھیل رہی تھی اور محبت دل مجروح کو قوت متخیلہ پر پرورش کر کر کے بجلی کی طرح تڑپا رہی تھی۔ شیر بھیڑیئے چاروں طرف دہاڑتے

پھرتے تھے، اور طرابلس کے خونخوار چیتوں کا غول اس کے پاس سے سائیں سائیں کر کے نکل جاتا تھا۔ خرگوش ادھر اُدھر اچھل رہے تھے مگر کوئی چیز سرزمین طرابلس پر ایسی نہ تھی کہ اس کے تخیلات کی رَو کو روک دے۔

پچھلا پہر شروع ہو چکا تھا کہ یہ معصوم طرابلس کے دامن کوہ کی طرف چلی سمندر کی لہریں اس کے حُسنِ خداداد پر دُرود پڑھ رہی تھیں ہوا کے جھونکے جُھک جُھک کر اس کے پاؤں چوم رہے تھے اور درختوں کے پتّے سرسرا سرسرا کر اسکو الوداع کہہ رہے تھے۔

(۵)

شب آخر کے سنسان وقت میں ابر کے غلیظ ٹکڑے جھڑیوں اور اولوں کو سینے سے چمٹائے ادھر اُدھر پھر رہے تھے کہ پانی کا ایک چھوٹا سا قطرہ آغوشِ پدری سے جدا ہو کر زمین کی طرف چلا۔ بادل کے ٹکڑے ۲۶؍ اکتوبر کا وہ خونریز واقعہ دیکھ چکے تھے۔ جس میں سیہ رو جنرل کنیوا نے ننھے ننھے معصوم ماؤں کے کلیجوں سے چھین کر سنگینوں کی نوک پر چڑھا دیئے۔ ان بچوں کی گریہ وزاری اور ماماؤں کی ماریوں کے بین جس نے تمام روئے زمین پر تہلکہ مچا دیا یورپ کی دیواروں سے ٹکرا ٹکرا کر واپس ہوئے اور صاحب اولاد یورپ نے اپنے بچوں کو گود میں لیکر ان بیکسوں کے ذبح ہونے کا تماشہ دیکھا۔ اس لئے اس قطرہ کا سرزمین طرابلس پر پہونچنا اس سیہ گھٹا کو جس نے مہینوں اس ننھے سے قطرہ کو پیٹ میں رکھ کر خون جگر سے سینچا۔ گوارا نہ ہوا مگر ننھے سے دماغ میں سیر کا سودا سما چکا تھا۔ ماں باپ کی منت سماجت پیش نہ گئی اور یہ قطرہ فضائے عالم میں اڑتا زمین کی طرف چلا ایک ننھی سی بوند جو مہینوں اس کے ساتھ رہی تھی۔ اپنے مدتوں کی رفیق کا ساتھ نہ چھوڑ سکی اور وہ بھی اس کے ساتھ ہی روانہ ہوئی۔

چھوٹا سا قطرہ اور ننھی سی بوند دونوں بہن بھائی جن کے سر پر ہوا کے جھکڑوں کے سوا اب کوئی والی وارث نہ تھا۔ اس قیامت خیز رات میں جس نے اچھے اچھے مردوں کے کلیجے دہلا دیئے تھے ذوق و شوق سے اپنا سفر طے کر رہے تھے۔ نادانی ان سے وطن، بچپن، ماں کی گود، بالک ہٹ اور بزرگوں کا ساتھ چھڑا چکی تھی۔ ہوا اپنے ہنگوروں میں ان ننھی سی جانوں کو جھونکے دیکر جھلا رہی تھی زمین نے اپنی کشش شروع کی اور دونوں معصوم مچلتے چلاتے اسی دامن کوہ میں پہنچے۔ جہاں محبت و مصیبت کی تصویر گزری ہوئی راتیں اور بیتے ہوئے دن یاد کر رہی تھی۔

زمین اپنے ننھے مہمانوں کی مدارات میں کمی نہ کر رہی تھی اور گو ہوا نے اپنے فرائض نہایت توجہ سے پورے کئے مگر ماں کی محبت بھری نگاہیں میسر نہ آسکیں۔ ادھر زمین منہ کھولے بیٹھی تھی تو ادھر صدرت آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تک رہی تھی یہاں ہوا چاروں طرف اچھالتی پھر رہی تھی تو وہاں سمندر زور شور سے بہتا چلا جا رہا تھا۔ ابر سیہ کی معصوم جانیں عجیب کشمکش میں تھیں ہر لمحہ وطن سے دور اور پردیس سے قریب کر رہا تھا۔ ہوا کے فراٹوں نے نازک جسموں پر بدہیاں ڈال دیں۔ اور حالت یاس میں ان دونوں نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھا۔ مگر بے سود تھا۔ آنکھ سے آنسو نکل پڑے مگر اب ان آنسوؤں کو پونچھنے والا کون تھا۔ آخر وہ وقت آن پہونچا کہ دونوں آسمانی مسافر زمین پر داخل ہوں۔ ماں کا بچھوا یاد کر کے دونوں نے ایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈال دیں اور طرابلس کی اس دیوی کی نازک پیشانی کو بوسہ دیا۔

کئی گھنٹوں کے مسلسل استغراق کو بوسہ نے حرکت دی۔ خاتون بدنصیب نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور ان آسمانی مسافروں کو پیشانی سے اتار کر ہاتھ پر لیا ان کی صورت دیکھتے ہی جس پر بچپن اور غریب الوطنی برس رہی تھی۔ اس کی

آنکھ سے آنسو نکل پڑے۔

دونو بہن بھائی جو یہ سمجھے تھے کہ آغوشِ مادر کی بو انسانی دنیا کے اس ہستی سے آئے گی خاتون کی یہ حالت دیکھ کر چونک اٹھے۔ مگر جب یہ دیکھا کہ ان ہی کے ہمجنس ان ہی کے ہم عمر اس خاتون کی آنکھ سے بھی پیدا ہو رہے ہیں تو ان کی ہمدردی اور زیادہ بڑھ گئی۔ خاتون کی محبت بھری نظریں دونو بہن بھائیوں پر گڑی ہوئی تھیں۔ غور و فکر کی نظر سے وہ تھوڑی دیر ان کو دیکھتی رہی اور پھر اس طرح کہنے لگی۔

"معصوم پردیسیو! کس باغ کے پھول اور کس ماں کے لال ہو؟ کہ اس اندھیری گھپ رات میں ماں کا پکھوا چھوڑ جنگل کی خاک چھان رہے ہو خدارا کسی اور سمت کا رخ کرو اور اس سرزمین سے نکلو جہاں خونخوار بھیڑیے چاروں طرف منڈلا رہے ہیں اور جن کی بیدردی نے مجھ کو مخبوط الحواس بنا دیا۔ کال تین رات سے میں اپنی اس جھونپڑی کو ڈھونڈھتی پھر رہی ہوں جس کی اینٹ سے اینٹ بج گئی اور اب اس کا نام و نشان تک نظر نہیں آتا۔

بچو! تم ایک خانماں برباد بیوی، اور ایک ناشاد ماں کے مہمان ہو۔ آؤ میرے کلیجہ سے لگ جاؤ کہ ظالم تم کو دیکھ نہ سکیں، پیارے مہمانوں، بھوکے پیاسے معصوموں، میری چھاتی منہ میں لو۔ دو دن کا رکا ہوا دودھ اتر آئے گا۔ تم ہی جیسا لال پرسوں اس سرزمین پر میرے کلیجہ سے چھوٹا ہے مجھ دکھیاری کو اپنی ماں سمجھو، گو مسلمان نہیں ہو۔ مگر صاحبِ اولاد کی گود میں ہو۔ اس گود کو ماں کی گود جانو۔ آؤ پیارو لپٹ جاؤ اور پیٹ بھر لو۔ تھوڑا اثر فاقوں اور پے درپے صدمات نے مردہ بنا دیا اور آن پہنچا ہے وہ وقت کہ جس بدنصیب کو ماں سمجھ کر آئے ہو وہ تم جیسے پیارے معصوموں کو اس بیابان میں تنہا چھوڑ کر ختم ہو جائے۔

بچو! خدا تمہاری عمر دراز کرے، زندہ رہو خوش رہو، اگر بچ گئے تو مشرق کے نخلستانوں میں جانا۔ ہزاروں کلمہ گو انسان ایسے دیکھو گے جو مجھ سے بدتر حالت میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ جی بچو تو میرا یہ پیغام جہاں جہاں جاؤ پہونچاتے جانا۔

"طرابلسی مسلمان مسلمانوں کے محتاج ہیں"

خاتون کے الفاظ یہیں تک پہونچے تھے کہ زیتون کے درخت پر سے جو سر پہ تھا بلبل خوش الحان چلّا کر اڑی اور یہ کہتی ہوئی چلی۔

"اے طرابلسی دولہن پہاڑ میں چھپ جا۔ قزاق سر پہ آ پہونچے" بلبل بمشکل تمام چند گز پہونچی ہوگی کہ ایک ایطالوی مسلح جوان اس کے سر پر تھا۔ صبح کا سہانا وقت ظالم نشۂ جوانی میں چور بھولی بھالی صورت دیکھتے ہی دیوانہ ہوگیا اور کہنے لگا۔

"طرابلسی حسینہ! پچھلے جھگڑوں کو بھول جا اور خوش ہو کر اب ایطالیہ کے بہادر میجر کی محبوبہ بن"

یہ کہہ کر جوان آگے بڑھا۔ ہاتھ بڑھایا کہ نازک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے۔

خاتون: "خبردار نابکار۔ اگر ہاتھ لگایا ہوگا۔ دور ہٹ۔ میرے سینے سے وہ دو لال چمٹے ہوئے ہیں جن کے سر پہ کوئی والی وارث نہیں۔ دور ہو جا سامنے سے مردود ازلی۔ اب ایسا لفظ زبان سے نہ نکالیو"

ایطالی جوان کا جواب خنجر آبدار تھا جس نے دامن کوہ میں طرابلس کی سرزمین دو معصوم اور ایک مظلوم کے خون سے لال کر دی۔

یورپ کا سنگ دل آفتاب ان بےبس لاشوں کو دیکھ کر مسکرایا اور صبح کھلکھلا کر ہنس پڑی درخت، درختوں کے پتے ان بے گناہوں پر خون روتے

چشموں نے ان پر آنسو گرائے، پہاڑ نے ان پر سایہ کیا اور ہوا نے ان کی لاشوں کو پنکھا جھلایا۔

انسان اشرف المخلوقات ہے مگر طرابلس کے گدھ یورپ کے انسانوں سے بہت زیادہ مہذب اور صاحب فراست نکلے۔ جس وقت ان کی جماعت ان معصوموں سے پیٹ بھرنے آئی ہے۔ معصوموں کے چہرے اور مظلوم کی صورت دیکھ کر ان کا جی بھر آیا۔ انہوں نے مل کر ایک کمیٹی کی اطالیہ، اور اطالیہ کے حمائیتیوں پر لعنت کے ووٹ برسائے اور تینوں لاشوں کو لے کر بیت المقدس پہونچے۔

آدھی رات کا وقت ہوگا کہ ان گدھوں نے یہ لاشیں صلیب عیسوی کے سامنے لا کر رکھیں۔ میں نے غور سے دیکھا کہ صلیب ان بیگناہوں کی معصومیت پر لرزگئی اور اس کے اس حصہ سے جس کا رخ آسمان کی طرف تھا یہ الفاظ سنائی دیئے۔ ”تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسك“

حضرات و بیگمات آپ موجودہ حالات کا زیادہ رنج نہ کریں۔ جو کچھ آپ کی آنکھ سے گذر رہا ہے یہ عکس ہے اُن واقعات کا جو طرابلسی مسلمانوں پر اطالیہ کے ہاتھوں پیش آرہے ہیں۔ نگاہیں نیچے کیجئے اور دیکھئے یہ کارزار طرابلس آنکھ کے سامنے ہے۔ نخلستان کے ہر حصہ سے نالوں کی آوازیں آرہی ہیں اور مغرب میں اُن نالوں پر قہقہے لگ رہے ہیں۔

تمدن اپریل ۱۹۱۲ء

از علامہ راشد الخیری

شہیدِ طرابلس

عصمتی بہنوں میں سے بہت ہی کم بہنیں ایسی ہوں گی جن کے کان طرابلس کے جگر خراش واقعات سے آشنا نہ ہوں طرابلسی بہنوں پر جو آج سے چھ مہینے پہلے اپنے گھروں میں اطمینان سے بیٹھی راج کر رہی تھیں بے ایمان اور دغا باز اطالیہ نے جو ستم توڑے ہیں ان کے خیال سے کلیجہ منہ کو آتا ہے مگر ان کو مصیبت میں چھوڑ کر اس نازک وقت میں کہ وہی آسمان جو عمر بھر ان کے سر پر چھایا رہا آج ان کی جان کا دشمن اور وہی وطن کی سرزمین جسکی خاک میں لوٹ لوٹ کر یہ بچیاں جوان ہوئیں اس وقت ان کی ناموس برباد کرنا چاہتی ہے ان مظلوم بہنوں سے آنکھ چرانا نہ صرف کج خلقی بے مروتی خود غرضی اور بے حِسّی بلکہ اس مقدس مذہب کو پیٹھ کے پیچھے پھینک دینا ہے جو تمام دنیا کے مسلمانوں کو کلمۂ توحید کے چمکتے دمکتے زیور سے ایک کر رہا ہے۔

اسی مہینہ کی ایک رات کا ذکر ہے۔ چاند سطح آسمان پر اٹکھیلیاں کرتا تھا دس بجے کی توپ چل چکی تھی موسم چونکہ کھلا ہوا تھا چادر مہتاب دل وحشی کو آبادی سے ویرانہ میں لے گئی جنگل سنسان تھا اور لب سڑک کے چھوٹے چھوٹے گاؤں ہُو کا میدان بہت سی سر بفلک عمارتیں کھنڈر اور بیسیوں عالی نشان سل تاراج و برباد ہو چکے تھے جن کی حالت پر ببول کے درخت اپنے زرد زرد آنسو گرا رہے تھے اور زمانہ بآواز بلند پکار رہا تھا کہ میں نے ان مکانوں کے ساتھ ان کے مکین بھی پیوند زمین کر دیئے۔ خاندان مغلیہ کے آخری تاجدار

کی مشہور بیٹی ارجمند بانو بیگم کی خوابگاہ آنکھ کے سامنے تھی۔ جس کے نظر آتے ہی تاریخ نے اس کے کام یاد دلا کر اس کی تصویر سامنے کھڑی کردی یہ بیگم جب تک زندہ رہی اس کے دستر خوان سے ہزاروں یتیموں اور اپاہجوں نے پیٹ بھرے اس کے گھر سے دکھیاریوں کی مرادیں پوری ہوئیں اور نامرادوں کی آرزوئیں بر آئیں گو ارجمند بانو بیگم مٹی کے ڈھیر میں پڑی سو رہی تھیں مگر اس خاک کا ہر ذرّہ املی کے پتے اور پیپل کی کونپلیں جو سر پر چھائی ہوئی تھیں دعویٰ کر رہے تھے کہ ارجمند بانو بیگم بظاہر مرگئی۔ مگر اس کے کام آج تک زندہ ہیں ارجمند بانو بیگم وہ بیگم تھی کہ اب مادر گیتی ایسی نہ جنے گی۔

رات آدھی سے زیادہ گذر چکی تھی ہوا کے ٹھنڈے جھونکے عالم سنسان میں تھپک تھپک کر نیند کا پیغام لانے لگے آنکھ بند ہوتے ہی ارجمند بانو بیگم جیسی ملکہ نظر کے سامنے تھی کاسہ گدائی ہاتھ میں تھا اور کہہ رہی تھی۔ گذشتہ جمعرات کو جب ہماری روحیں اس قبرستان میں جمع ہوئی ہیں تو گو دنیوی تعلقات سے اب ہم کو کوئی واسطہ نہیں مگر ہم دو عورتیں اس بات پر آمادہ ہوئیں کہ چند لمحہ کے واسطے عالم فانی کی سیر کریں۔ چنانچہ ہم دونوں نے درگاہ ایزدی میں اپنی درخواست گذاری۔ ہماری التجا قبول ہوئی اور ہم کو صرف چھ گھنٹہ یعنے پہر بھر کی اجازت ملی رات ٹھنڈی تھی اور موسم خوشگوار ہم ایک ایسی سرزمین پر پہونچے جہاں ہماری جیسی بہت سی بہنیں کچھ اس درد سے کراہ رہی تھی کہ کلیجہ پھٹا جاتا تھا۔ میں نے غدر ۵۷ء کے دنوں میں سرزمین شاہجہاں آباد پر جو قیامت خیز سماں دیکھا تھا وہ بھی اتنا درد انگیز نہ تھا۔ سینکڑوں بیویاں تھیں جن کی صورت ان کی شرافت اور مصیبت کا پتہ دے رہی

تھی۔ جاڑوں کی پہاڑ سی راتیں کھنڈروں میں بسر کر رہی تھیں۔ ان کی عمر بھر کی کمائیاں اور برسوں کی محنتیں چشم زدن میں برباد ہو چکی تھیں۔ پھلرواسے لال جو راتوں ان کے کلیجے سے چمٹے رہتے تھے ان کی بھری گودیں خالی کر چکے تھے۔ وارث سروں سے اٹھ چکے تھے اور اس سنسان جنگل میں جہاں رات سائیں سائیں کر رہی تھی۔ خدا کے سوا ان کا کوئی والی وارث نہ تھا۔ ان مظلوم عورتوں میں ایک ایسی بدنصیب لڑکی نظر پڑی جس کے ناسے آسمان کے پار ہو رہے تھے۔ سید ہے بازو سے خون کی تلیاں بہہ رہی تھیں اور نخلستان کے میدان اس بے گناہ کے خون سے لال ہو گئے تھے زخم کی اذیت سے یہ معصوم قریب قریب بے ہوش تھی مگر اس کی زبان سے یہ الفاظ نکل رہے تھے۔

"رحم! رحم! اے سنگدل اطالیہ رحم!"

اس بدنصیب کی حالت زار دیکھ کر قریب تھا کہ میں خود بے ہوش ہو جاؤں مگر میں نے اپنے تئیں سنبھالا۔ پانی کے چند قطرے لا کر اس کے حلق میں ٹپکائے اور سرہانے بیٹھ گئی۔

نہیں نجیب ہوں گے! ہوا سمندر میں ڈوبی ہوئی اس قدر سرد چل رہی تھی کہ دانت سے دانت بجتے تھے۔ اس زخمی اور بدنصیب عورت کے جسم پر صرف ایک پھٹی سی قمیص تھی، دفعتہً اس نے آنکھ کھولی۔ چمکتے دمکتے تاروں کو دیکھ کر اس کے کلیجہ پر ایک گھونسا سا لگا اور وہ اس طرح چلا اٹھی۔

"آ! آ! بہن کے گلے سے لگ جا!"

یہ کہتے ہی اس کی آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے اور وہ یہ کہہ کر اٹھ بیٹھی۔

"قادر کہاں! ابا باوا کے ساتھ وہ بھی گیا"

اب اس نے میری طرف دیکھا خوف کے مارے اس کا بدن کانپنے لگا

اور کچھ ایسی منت سماجت سے بھری ہوئی نگاہ مجھ پر ڈالی کہ اس وقت تک اس مظلوم و معصوم کی بیکسی یاد دلا رہی ہے۔ متواتر صدموں اور داغوں نے اس کی عقل پریشان کر رکھی تھی۔ تن بدن کا مطلق ہوش نہ تھا اس نے اپنے ہاتھ جوڑے اور مجھ سے گڑگڑا گڑگڑا کر کہا:۔

"قادر زندہ ہے تو ایک دفعہ صورت دکھا دو اور پھر یہ سنگین کلیجہ میں بھونک دو۔"

میں نہیں کہہ سکتی کہ میرے دل پر اس مظلوم کی حالت کا کیا اثر ہوا میری آنکھ سے آنسو بہہ رہے تھے۔ مگر وہ میری صورت دیکھ کر سہمی جاتی تھی میں نے اس کو یقین دلا دیا کہ میں اس کی دشمن نہیں ہوں بلکہ اسی جیسی ایک عورت ہوں تو اس نے اپنی مصیبت کی داستان شروع کی:۔

پردیسی بہن! یہ سرزمین طرابلس ہے جہاں مجھ جیسی سینکڑوں اور ہزاروں لڑکیاں خانماں برباد ہو گئیں جو وقت ہم پر آ کر پڑا خدا دشمن پر بھی نہ ڈالے سنگدل اٹلی نے قصائیوں کی طرح ہمارے کلیجہ کے ٹکڑے ہماری آنکھوں کے سامنے ذبح کئے۔ بڈھے ماں باپوں کو کتے کی موت مارا۔ جھونپڑوں میں آگ لگائی۔ گھروں کو مسمار کیا۔ ننھے ننھے معصوموں کے کلیجے سنگینوں سے چھیدے اور جو بیمار قریب المرگ تھے۔ ان کو بیڑیاں پہنا کر سڑکوں پر گھسیٹا میں مصیبت کی ماری اور فلک کی ستائی ان ہی بدنصیبوں میں سے ایک ہوں۔ پیارے بھائی قادر کو کلیجہ سے لگائے بےخبر پڑی ہوئی تھی رات کا پہلا پہر تھا شقی القلب اٹلی کے چند آدمی ہمارے گھروں میں درانہ گھس آئے اور میرے بڈھے باپ کو شہید کر ڈالا۔ میں بندوق کی آواز سے گھبرا کر اٹھی تو وہ جفا کار میری پیاری ماں کو ذبح کر رہے تھے۔ قادر میرا پیارا اور اکیلا بھائی میرے گلے سے لپٹا

ہوا تھا کہ ایک سنگدل نے میری گود سے اسکو چھین لیا اور اس ڈیڑھ برس کی جان کو جو خدا کے ہاں بھی مواخذہ کے قابل نہ تھا۔ اے بہن میری آنکھوں کے سامنے دیوار پر کھینچ مارا۔ اور میرے سر پر بھی ایک تلوار ایسی ماری کہ اسوقت تک خون بند نہیں ہوتا۔

پردیسن بہن تم اس وقت اس بدنصیب لڑکی کی مہمان ہو جو طرابلس کے مشہور رئیس کی بیٹی ہے۔ لیکن بہن میرے کہنے کا یقین کرنا کہ میں تمہاری مہمانداری کے قابل نہیں رہی ابھی الیطالیہ کے مظالم ختم نہ ہوئے تھے کہ قحط نے ہماری جانوں پر بنا دی ہم دس ہزار کے قریب عورتیں اور بچے ان ہی کھیتوں میں اپنے دن اور راتیں بسر کرتے ہیں! پردیسن بہن شبنم ہمارے سر پر ہوتی ہے اور چلّے کا جاڑا ہمارے ساتھ یقین کرنا ہمارے سروں پر ثابت ردا نہیں ہے یہ بناسپتی اور گھاس پھونس جو جانوروں کی بھی غذا نہیں ہے ہماری خوراک ہے۔

پردیسن بہن سامنے دیکھو وہ برقی روشنی اور گیس کے لیمپ ولائتین الیطالیہ کا کیمپ ہے جہاں عیسائی عورتوں تک نے اپنے مال قربان کئے ہیں مگر ہماری بدنصیبی دیکھو کہ ہم فاقہ پر فاقہ کر رہے ہیں اور صرف اس لئے کہ ہماری ان مسجدوں میں جہاں کلمۂ توحید کی صدا نکلتی ہے۔ گرجا کا گھنٹہ نہ بجے لیکن مسلمان کلمہ گو ہماری حالت زار پر رحم نہیں کرتے مرد تو خیر ہم عورتوں پر کیوں رحم کرنے لگے۔ لیکن تم کسی طرح ہماری داستان مصیبت ان بہنوں تک پہونچا دو۔ جو ہمارے کلمہ کی شریک ہیں۔ ہندوستان میں تو شاید ہمارے پیغمبر محمد مصطفیٰ کی رسالت سچے دل سے ماننے والی عورتیں کم ہیں مگر کسی ایسے ملک کا اگر تم کو پتہ مل سکے تو تم ہمارا یہ پیغام ان بہنوں تک پہنچا دو۔ شوہر والی بہنوں تمہارے سہاگ رہتی دنیا تک اور اولاد والی بہنوں! تمہارے بچے ہزاری عمر خدارا ہماری مصیبت پر رحم کرو اور اپنے پیارے بچوں کا صدقہ اپنے گھربار کی خیرات ان

بدنصیبوں کو بھی دیدو۔ جن کے گھر سُونے، جن کی گودیں خالی، جن کے وارث شہید اور جن کے عزیز ذبح کر دیئے گئے۔ بہنوں مقدرت والی بہنوں جو مصیبت ماریاں عزت راحت سے زندگی بسر کر رہی تھیں۔ آج اپنا گھر مٹا کر بے دلی وارث تم سے سوال کر رہی ہیں۔ تمہارے طرح طرح کے کھانے تمہیں نصیب مگر یہ نوالے حلق میں اٹکیں گے۔ جب سنو گی کہ تمہاری کلمہ گو بہنیں وہ بہنیں جو اپنے پاک مذہب پر اپنے لال قربان کر چکیں گھاس کھا کھا کر گذارہ کر رہی ہیں!

عصمت مارچ ۱۹۱۳ء

حضرت علامہ راشد الخیری مدظلہ کے افسانوں کے دو مجموعے

جوہر عصمت

۱۳ سبق آموز افسانے (۱) مظلوم بیوی کا پاک جذبہ، عرفان ایک شریف اور معزز خاندان کا شخص بری صحبتوں کی وجہ سے لاکھ کا گھر خاک کر کے جیلخانہ پہنچنے والا ہوتا ہے کہ مظلوم بیوی کی کوششوں سے اس طرح رہائی حاصل کرتا ہے کہ پڑھنے والے دنگ رہ جاتے ہیں (۲) کھیتور کی دلہن ہندی قوم کے مرد و عورت کے تمدن پر گہرا اثر ڈالنے والی نہایت موثر بحث، محبت کا جواب اور انتقام، بے انتہا دلآویز افسانہ (۳) انگلی تحفے، ہزاروں برس پہلے کے تمدن کا ایک دلچسپ مرقع شجاعت و جانبازی، دوستی، وفاداری اور سچی محبت کے حیرت انگیز مناظر (۴) افسانہ تنویر بیگم تنویر کی درد و غم بھری کہانی (۵) بیگناہ کا قتل غیور کی شرافت اور انتقام امیر کی بدگمانی اور سنگدلی اور محبت کی چوکھٹ پر کسان لڑکی کی قربانی (۶) کوہ نور کا کینہ دولت و عصمت کا مقابلہ ماحول، رشید کا دربار اور ایک سچی عورت (۸) عدل جہانگیری شہنشاہ جہانگیر کے انصاف کا دل ہلا دینے والا واقعہ (۹) ... کی شہادت (۱۰) ملکہ شہزاد ملکہ الزبتھ اور بادشاہ کا افتراق، ملکہ کا عصمت کی کسوٹی پر پورا اترنا (۱۱) ہر شخص کی مستحق خدا کی لاٹھی بے آواز (۱۲) غلط فہمی نہایت موثر قصہ (۱۳) خاتمہ بالخیر ۱۳ افسانوں کا مجموعہ ہر شریف مرد اور ہر شریف عورت کی نظر سے گذرنا چاہئے قیمت عہ

سیلاب اشک (با تصویر)

۱۰ درد انگیز افسانے (۱) پرستار محبت عورت کا دل دنیا محبت کے خزائن سے مالا مال ہے یہ سبق آموز افسانہ جو کثرت سے کثر انسان کی آنکھیں نمناک کر دیگا اس کا ثبوت ہے اور بے انتہا مقبول ہوا ہے۔

(۲) بلوچن کے تین زمانے ایک خوددار لڑکی کی وفاداری اور انتقام اور احسان کے جوہر دکھا کر محو حیرت کر دیتی ہے طلاق کا سفید بال میاں بیوی کے تنازعات کیا چیز ہیں خودداری اور ایثار کیسے کہتے ہیں ضمیر اور ایمان کیا کام کرتا ہے اس درد انگیز افسانے سے معلوم ہوگا جس نے کتنے ہی گھر تباہی سے بچا لئے۔

(۴) رنج اکسیر جس سے معلوم ہوگا کہ ماں کا دل کیسی محبت سے لبریز ہے اور سچی خوشی کسے کہتے ہیں (۵) عادل گلبدن شہنشاہ بابر کی لخت جگر شہزادی گلبدن بیگم کی شجاعت عدل و کرم احسان و عفو کے حیرت انگیز کارنامے (۶) بے قصور بچی بے انتہا موثر افسانہ۔ (۷) ثریا کا تحفہ ہر افسانے کے ساتھ ذرا کثیر صرف کر کے فوٹو بلاک کی تصاویر لگائی ہیں

یہ بھی کئی بار چھپ چکا ہے قیمت عہ

ملنے کا پتہ: منیجر عصمت دہلی

طرابلس سے ایک صدا

بے حسی تو شاید مگر بے ایمانی یقیناً ہو گی اگر ہم اس موقعہ پر اس کیفیت کا اظہار نہ کریں۔ جو واقعات طرابلس و تبریز سے دل پر گذری اور گذر رہی ہے جس دریا دلی سے یورپ نے طرابلس میں اپنی بے ایمانی دغابازی اور مکاری کا ثبوت دیا ہے اس کی داد نہ دینا ستم ہے۔

ہمارے مقدس نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بدنام کرنیوالے اطالیہ والوں نے جو درحقیقت یزید کے پیرو نکلے ہم کو اور نہ صرف ہم کو بلکہ تمام دنیا کو یقین دلا دیا کہ یورپ میں آج بھی وہی وحشی لوگ بس رہے ہیں جو آج سے ہزاروں برس پہلے آباد تھے اور جو صفحہ تاریخ پر جانوروں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ جنگ طرابلس نے اچھی طرح ثابت کر دیا کہ یہ تہذیب و تمدن کے مدعی انسانی دنیا کے واسطے اتنے سود مند ہیں کہ اپنی محترم خواتین کو سر راہ دوکانوں میں بٹھا کر لوگوں کو آوارگی کی طرف مائل کریں۔ ورنہ ہمدردی بنی نوع انسان جو انسانیت کا سچا زیور، اور اسلام کا پہلا اصول تھا ان میں نام کو نہیں۔

عیسائی سلطنتیں کلمہ توحید کی شجاعت کا تجربہ بارہا کر چکی ہیں اور واقعات آواز بلند پکار رہے ہیں کہ اس گئے گذرے وقت میں بھی مسلمان وہ انمول جوہر یگانگت سینے سے لگائے ہوئے ہیں جس نے اس وقت بھی تمام روئے زمین کے مسلمانوں کو ایک کر رکھا ہے۔ ان کی رگوں میں وہ ہاشمی خون دوڑ رہا ہے کہ جب تک ان کے بدن میں جان ہے یہ اپنی آن کو ہاتھ سے نہ دیں گے۔ مگر تعجب ہے یورپ پر کہ باوجود متواتر تجربوں کے اس کو یاد رکھنے کی طرح رہ رہ کر

بھڑک اٹھتی ہے اور کوئی نہ کوئی طاقت اپنے دل کا بخار نکالنے کو آ بھڑتی ہے۔

اطالیہ نے یورپ میں اپنی ہی عزت پر پانی نہیں پھیرا بلکہ اپنے ساتھ بہت سی برادری کی ناک کٹوا دی اور تاریخ کو دکھا دیا کہ جہاں مغرب میں مرحوم شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم جیسی صلح جو طبیعتیں پیدا ہوتی ہیں اور شہنشاہ معظم جارج پنجم جیسا ہمدرد بادشاہ موجود ہے وہاں وہ بدبخت لوگ بھی زندہ ہیں جو کسی اعتبار سے انسان کہلائے جانے کے مستحق نہیں۔ اطالیہ طرابلس میں ننھے ننھے بچوں کے کلیجے سنگینوں سے چھید رہی ہے۔ ان کے آہ و نالے سننے والوں کے دل ہلا دیتے ہیں۔ مگر پڑوسی ان بچوں کی گریہ و زاری پر ہنستے ہیں، عورتیں برہنہ کی جا رہی ہیں! بڈھے اور اندھے نشانہ بندوق بن رہے ہیں مگر مہذب لوگوں کے کان پر جوں تک نہیں چلتی!!

مدعیان تہذیب و تمدن کی قلعی تو طرابلس نے کھول دی اب ذرا ان مقدس روحوں کے حالات بھی دیکھ لو جو وحشی اور بدو کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں لشکر اسلامیہ کا مشہور سپہ سالار خالد بن ولید جس کی شجاعت پر آج تک یورپ مٹا ہوا ہے جو میدان جنگ کے قواعد ایسے ایجاد کر گیا کہ ایک دنیا نے اس سے سبق لئے۔ ابیلا جس کی حفاظت کے لئے عیسائیوں کا ٹڈی لشکر ٹوٹ پڑا تھا فتح کر چکا ہے۔ جنگی قلعہ پر مسلمانوں کا جھنڈا لہرا رہا ہے اور خاک ابیلا کا ہر ذرہ خالد کی شجاعت کے گیت گا رہا ہے شام کا وقت ہے آفتاب غروب ہونے کے قریب پہونچ گیا۔ نماز عصر سے فراغت پا کر خالد تن تنہا ایک طرف کو نکل کھڑا ہوا۔ تھوڑی دور جا کر دروازہ نظر آیا اندر جا کر دیکھا کہ ایک بڈھا راہب خاموش بیٹھا ہے خالد ابن ولید کا گرجا میں داخل ہونا تھا کہ راہب کے شعلے بھڑک اٹھے زندگی سے بیزار تھا ہزاروں مغلظات سنانی شروع

کیں۔ گالیاں اور کوسنے اور برا بھلا طعن تشنیع نفرت اور حقارت اعتراض اور حملے کوئی چیز ایسی نہ تھی جو بڈھے نے چھوڑ دی ہو۔
قیاس یہ کہتا ہے کہ جس خالد کی تلوار سے خون ٹپکتا تھا اس کی ایک پھونک سے بڈھا پچاس لڑھکنیاں کھاتا ہوا گز جا سے نیچے جا پڑتا۔ مگر تاریخ یہ کہتی ہے سپہ سالار اعظم خالد ابن ولید رحمتہ اللہ یہ کہتا ہوا آگے بڑھا۔
" اگر حضور اکرم صلعم کا یہ ارشاد میرے کان میں نہ پڑا ہوتا کہ بچوں کے ساتھ شفقت اور عورتوں کے ساتھ مہربانی سے پیش آنا اور بڈھوں پر ہاتھ نہ اٹھانا تو تیری اس زبان درازی کا جواب خالد کی تلوار دے دیتی"
یہ سلوک مسلمانوں کا ان لوگوں کے ساتھ تھا جو اُن کی جان کے دشمن اور خون کے پیاسے تھے اور اس وقت تھا جب کہ دشمن ان پر لعن طعن کر رہے تھے، لیکن اطالیہ جو تہذیب پھیلانے کا مدعی ہے۔ بے گناہ لوگوں کو اس لئے ذبح کرتا ہے کہ وہ مسلمان ماں باپ کے بچے ہیں رو سیاہ جنرل کینوا اس کو روا رکھتا ہے اور کس وقت جس وقت وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ مہذب حاکموں ہمکو ہمارے وطن میں رہنے دو۔
یہ تو اسلام کی مقدس تعلیم کا ایک ادنیٰ نمونہ تھا جو خالد نے دکھایا اب خود بانی اسلام صلعم کا طرز عمل دیکھو ایک مرتبہ قبیلہ طے کے کچھ قیدی حضور اقدس کے روبرو پیش کئے گئے ان میں ایک لڑکی بھی تھی جو قبیلہ طے کے سردار حاتم طائی کی بیٹی تھی۔ آپ نے اپنی چادر اس کو اڑھائی اور نامحرموں کی نگاہ سے بچایا۔ اس کے جواب میں مہذب دنیا کا سلوک طرابلس کی عورتوں کے ساتھ یہ ہے کہ نو سو سے زیادہ عورتیں ننگی مادرزاد کی گئیں اور سنگینوں کی باڑ نے ان کی پردہ پوشی کی!!

اطالیہ اور اس کے حمایتیوں کو ڈوب مرنا چاہیئے کہ مٹھی بھر خانماں برباد ترکوں اور عربوں نے ان کا دلیہ بنا دیا۔

شہدائے طرابلس بظاہر مرچکے ان کی پاک روحیں جسم سے جدا ہوگئیں مگر نہیں ان کے نام زندہ ہیں۔ مسلمان ان کے ناموں کو آنکھوں پر اور ان کے کارناموں کو سر پر رکھیں گے۔

کلمۂ توحید کا اقرار کرنے والے مسلمانو! اگر دنیا کے عیش اجازت اور زندگی کے کاروبار فرصت دیں تو خدارا اس مصیبت بھری اور کوک جلی دکھیا کی داستان سن لو۔"

بقرعید کے دن علی الصباح ایک بدنصیب مسلمان عورت طرابلس میں ایک پہاڑی پر کھڑی ہوئی ہے۔ صورت پیہم صدمات کی تصویر ہے جاڑے کا موسم برف کے تودے چاروں طرف جمع ہیں۔ مگر یہ بدنصیب جس کے پاس صرف ایک پھٹا ہوا چیتھڑا بدن ڈھانکنے کے واسطے ہے سکڑی کھڑی ہے اور اس طرح صدا دے رہی ہے۔

"ہندوستانی مسلمانو! اس لئے اور صرف اس لئے کہ میں بھی تمہارے کلمہ کی شریک ہوں اگر تمہارے لحاف اور توشکیں اجازت دیں تو میری حالت زار دیکھ لو بھائیو! برس کا برس کا دن ایک دور افتادہ بہن کی مبارکباد قبول کرو، وہ بہن جس کی ایک چھاتی سے خون اور دوسری سے دودھ کا دریا بہہ رہا ہے۔ یہ دودھ ان بچوں کی یادگار ہے جو مہینوں اور برسوں میرے سینے پر بیٹھے اور چھاتی پر لوٹے اور جو میدان طرابلس میں میرے حکم سے کلمہ طیبہ کی حفاظت میں میری آنکھوں کے سامنے شہید ہوگئے اپنے بچوں کو کلیجے سے لگانے والی ماؤں اور شفقت پدری کے جوش میں اپنے بچوں کو کلیجہ سے

لپٹانے والے باپو، میرے کلیجے کے ناسوروں پر بھی نظر ڈالو۔ چار بچے خون میں نہلا کر تمہارے سامنے آئی ہوں۔ زخمی چھاتی ان ہی کلیجے کے ٹکڑوں پرورده بہارہی ہے جن کے دم سے زندگی کی بہت سی امیدیں وابستہ تھیں اولاد والے بہن بھائیوں تمہارے بچے زندہ اور تمہاری ماتنا ٹھنڈی رہے میرے پھول بھی تمہاری طرح نو نو مہینے میرے پیٹ میں رہے ہیں۔ میں نے بھی خون جگر پلا کر بڑا کیا تھا، عمر بھر کی کمائی یہ ہی چار لال تھے جن کی لاشیں بے کفن پڑی ہوئی ہیں! ظالموں نے مرتی دفعہ مجھے کملاتے ہوئے چہرے بھی دیکھنے نہ دیئے۔

مسلمانوں! تمہارے عیش میں خلل نہ پڑے تو ایک نظر سرزمین طرابلس پر ڈال لو۔ جہاں چار چار پانچ پانچ برس کے بھولے والے لال جانوروں کی طرح ذبح ہو کر خون میں لوٹ رہے ہیں۔ جہاں سروں کے وارث اطالیہ کی سنگینوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے یہ تازہ قبر جس پر کھڑی ہوئی نہیں اپنے داغ دکھا رہی ہوں اس مظلوم کی ہڈیاں ہیں جس نے عمر بھر کے واسطے پیمان وفا باندھا تھا، جو چند مہینوں کا بیمار اور کئی امراض میں گرفتار تھا۔ ہندوستانی بھائیو! جو مریض کراہنے کے قابل بھی نہ تھا میری آنکھوں کے سامنے رسی سے باندھ کر مقتل پہنچا دیا گیا، ظالم ہمارے سر پر کھڑے تھے اور حسرت بھری نظریں ایک دوسرے کو الوداع کہہ رہی تھیں، دل مجروح اس بیمار کے پیچھے پیچھے گیا جو وطن کی خاک میں گھسٹتا ہوا جا رہا تھا، بہنوں جو سماں میں دیکھ چکی ہوں خدا نہ کرے کہ تم دیکھو، میرے تاج و تخت کا وارث، میری عصمت و آبرو کا نگہبان، میرے دل، میری جان کا مالک (آسمان کی طرف دیکھ کر) مجھے خدا کے سپرد کر رہا تھا جو یا تھ اس کی خدمت کا وعدہ کر چکے تھے دم آخر اس کو

پانی بھی نہ پلا سکے، ہائے کس طرح سے کہوں دل کے ارمان دل میں رہے اور کلیجہ داغوں سے چھلنی ہوگیا۔ بیمار نظریں میری صورت پر تھیں کہ ایک سنگین نے ہمیشہ کے لئے بند کردیں۔ دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھنا کامل سات گھنٹے درخت کی آڑ سے اس لاش کی حفاظت کی ہے۔ اور جب میدان دشمنوں سے صاف ہوگیا ہے تو اٹھا کر لائی اور سر کی چادر میں جو اس مرحوم کی کمائی تھی لپیٹ کر اس گڑھے میں دبا دیا، میں اس سردی میں اکڑتی ہوئی اپنی زندگی پر فخر کررہی ہوں کہ میری چادر میرے بدلے اس زمین کے نیچے اپنے وارث کی خدمت کررہی ہے بہنو! میرا دل دیکھو۔ اپنے سچے مذہب کی حمایت میں چار لال قربان کرچکی، لٹ گئی تاراج و برباد ہوگئی مگر مجھ خانماں برباد کو موت نہیں آتی کہ اپنے پیاروں سے جا ملوں معصوموں کو چمٹاؤں گلے لگاؤں بلائیں لوں اور ان نازک رخساروں پر نثار ہوجاؤں جن سے پھول جھڑتے تھے۔

ہوا کے جھکڑو! مجھے نہ کپکپاؤ۔ میرا یہ پیغام سمندر پار میرے مسلمان بہن بھائیوں تک پہنچا دو۔ میری تصویر ان کو دکھا دو، میرا پتہ ان کو بتا دو اور میری یہ بپتا انہیں سنادو۔ جو کلیجہ کے ٹکڑے کل تک اپنے نازک ہاتھ گلے میں ڈالے سینے سے چمٹے ہوئے تھے آج کہیں نظر نہیں آتے۔ بہنوں میرے بچوں کو ڈھونڈھ دو۔ بھائیو، میرے لال مجھ سے ملادو۔ وہ اٹھتی کونپلیں ٹوٹ گئیں۔ کھلتے ہوئے پھول مرجھا گئے، اے سنگدل اٹلی! یہ چاروں چھٹوا دیئے لے لے اے موت مجھ کو بھی لے، ظالمو! مجھکو بھی۔ اس سنگین سے جو میرے پیاروں کے خون میں رنگی ہوئی ہے، میرا کام تمام کرادو اور مجھے اس خون کے بوسے لینے دو جو میرے معصوموں کے جسم سے نکلا۔ میری آنکھیں ان شکلوں کو ڈھونڈ رہی ہیں جو کل تک میرے پاس تھیں، میرے ساتھ تھیں، بچو، اے پیارے بچو! ماں قربان تم میرے دکھ درد کے شریک میری بیماری کے رفیق تھے آؤ میرا ہاتھ پکڑو۔ مجھے سہارا

دو، کلیجے سے لگ جاؤ کہ یہ دودھ بند ہو اور یہ خون تھم جائے۔

سننے والو مصیبت بھری داستان ناگوار ہو تو معاف کر دینا اس کے بعد میں کہاں اور تم کہاں، تمہارے بچے تم کو مبارک اور تمہاری دنیا تمہیں نصیب، تھوڑی دیر کا ساتھ ہے سمجھو تو تمہاری کمائی میں حقدار، اور مانو، تو تمہاری بہن تمہارے کلمہ کی شریک اور اس رسول کی امت ہوں جو خاک عرب سے پیدا ہوا، امی لقب، ہاشمی نسب، ایک بار رسول ہا کونسا پیغمبرا

مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا

کیا تمہاری آنکھیں مجھ سے زیادہ بدنصیب عورتیں دیکھیں گی اور کیا تمہارے کان مجھ سے زیادہ درد بھری داستان سنیں گے، تمہارے پاس شال دوشالے ہیں اور میرے پاس جانور کی کھال بھی نہیں۔ دیکھو میرے برہنہ جسم کو دیکھو اور اس قیامت خیز سردی کا خیال کرو۔ اولاد والو، بیٹیا بیٹی والو، خدارا میرے داغوں پر نظر کرو، اور سوچو میری رات کیونکر اور میرا دن کس طرح گذرتا ہوگا طرابلس تمہارے خلیفہ کا مفتوحہ شہر ہے اور میں طرابلس کی بیٹی نہیں بہو ہوں گھرلانے کی لاج رکھو اور آج جبکہ میرے سر سے میرا وارث اٹھ گیا میرا گھر لٹ گیا میرے بچے چھوٹ گئے۔ میرا ہاتھ پکڑ و اور میرا ساتھ دو، ان ہاتھوں کو غور سے دیکھو کیسے ہیں اور کس کے ہاتھ ہیں۔ وہ ہاتھ ہیں جو گیارہ، دس، آٹھ، اور پانچ برس برس کے چاند کے ٹکڑوں کو گہری گور میں سلا کر تمہارے آگے پھیلے ہیں اور یہ اس رانڈ دکھیاری کے ہاتھ ہیں جو صرف بارہ برس سہاگن رہ کر رانڈ ہو چکی، رانڈیں تمہارے ہاں بھی ہوں گی، بچوں کو تڑپنے والیاں تم میں بھی ہوں گی۔ میں نے اپنے لال اپنا رفیق و شفیق شوہر اپنے مذہب پر فدا کیا ہے میں نے اپنے دین برحق کو ظالموں سے بچانے کے پانچ قربانیاں چڑھائی ہیں۔ جانتے ہو کیسی قربانیاں؟ وہ

چار جن کو دیکھ کر جان میں جان آتی تھی، جو برسوں سینوں پر لوٹے ہیں جو مہک مہک کر کلیجے سے چمٹتے تھے، جن کو دم بھر تنہا نہ چھوڑتی تھی آج اس جنگل بیابان میں اکیلے سو رہے ہیں، وہ ایک جس پر زندگی کا تمام دار و مدار تھا جس نے عزیز و اقارب سے تڑا کر اپنے پلے باندھا تھا جو لمحہ بھر بھی آنکھ سے اوجھل نہ کرتا تھا۔ اس ڈھیر میں منہ لپیٹے پڑا ہے۔

مسلمان بہن بھائیو! میری ہنسی نہ اڑاؤ۔ میری حالت کا یہ ایک رُخ تھا اسی دل میں جو مامتا سے تڑپ رہا ہے وہ خون بھی جوش کھا رہا ہے جو چار کیا ہزار بچے ہوتے تو وطن پر قربان اور مذہب پر نثار کر دیتی میری محنت ٹھکانے لگی۔ میرے ارمان پورے ہوتے ہیں خوش نصیب ہوں کہ میری کمائی میرے پاک مذہب اور میرے وطن کے کام آئی۔ قریب آ گیا ہے وہ وقت کہ میں بھی ان ہی بچوں کے پہلو اور اس سرتاج کی پائینتی جا سوؤں، اگر میری موت وہ موت ہو گی کہ تمہاری زندگیاں ہزار اس پر قربان۔ مسلمان میرے نام پر جان دیں گے اور میرے کام پر فخر کریں گے۔ آنے والی نسلیں اور پیدا ہونے والے لوگ میری سالگرہ منائیں گے اور تاریخ اسلام، میری اس قربانی کو سونے کے حرفوں سے لکھ کر دنیا کے سامنے پیش کرے گی۔

"تمدن" دربار نمبر دسمبر ۱۹۱۱ء

روضۂ اطہر پر

ایک عرب بیدانی

جب سلطنت عثمانیہ کے محکمۂ جنگ سے خاک یثرب کی بسنے والی ایک خاتون کے نام پیغام پہنچا کہ :-

عثمانی سلطنت تم جیسی بیبیوں پر جو حفاظت اسلام اور حمایت انجمن میں کلیجہ کے ٹکڑے قربان اور سر کے وارث نثار کریں فخر کرتی ہے، میدان جنگ میں شریک ہوکر دشمن پر تمہارا حملہ آور ہونا، رذارہ کی فتح اور تمہاری شجاعت تاریخ اسلام کا ایک زریں ورق ہے۔ تمہارے جری شوہر کی شہادت کی اطلاع دیجا چکی ہے اور آج نہایت خوشی سے یہ خبر تم کو بھیجی جاتی ہے کہ غزکیولہ کا قلعہ جہاں عیسائیوں کی متحدہ طاقتیں جمع ہوئی تھیں فتح ہوگیا اور تمہارا بڑا بچہ اس قلعہ پہ اسلامی پھریرا اڑاتا ہوا شہید ہوا"

تو مجاوران روضہ اطہر فانوس روشن کر چکے تھے اور قابل فخر خاتون عید کا چاند دیکھنے کے واسطے بالا خانہ کی چھت پر کھڑی تھی رسول عربی اور روحی فداہ کی آرام گاہ آنکھ کے سامنے تھی اور ہلال عید مرقد انور کو جھک جھک کر سلام کر رہا تھا کہ خاتون کو پیغام سلطنت پہنچا

مفصل کیفیت معلوم ہوکر اس ماں متا مارے دل کو جو آج سہ پہر سے گھبرا رہا تھا اور نماز مغرب کے بعد چھت پر لے گیا بیٹے کی قربانی کی اطلاع ملی - زیتون کے گنجان درخت چاروں طرف چھائے ہوئے تھے جو گو آنکھ سے قدیمی آشنا تھے۔ مگر جھٹ پٹے میں انکی خموشی نے ایک خاص اثر کیا۔ بچہ کی شہادت یا مفارقت ابدی پر الحمدللہ کہتی ہوئی نیچے اتری اور درختوں کو دیکھتی

ہوئی طیبہ پہنچی۔

چھاتی کا زخم چرا رہا تھا اور اس لال کی خبر موت نے جو اس سے دودھ پی کر اس قابل ہوا کہ میدان جنگ میں ماں کے حکم کی تعمیل کی اس زخم کو اور بھی ہرا کر دیا تھا لیکن حُب وطن اور جوشش مذہب کے آگے لال کا خیال اور نہ زخم کا اندمال سب ہیچ تھا صرف اتنی آرزو تھی کہ تندرست ہو کر میدان جنگ میں پہنچوں اور کلمہ شہادت پڑھتی ہوئی جام شہادت پی لوں۔

وہ اس وقت روضۂ اطہر کے بالکل قریب تھی اور اس وقت کو یاد کر رہی تھی، جب اس کی گاڑی پندرہ ہزار سے زیادہ زخمی اور اپاہجوں کو لے کر دارالخلافہ پہنچی، جس وقت قسطنطنیہ قیامت کا نمونہ تھا دودھ پیتے بچے ماؤں سے بچھڑ چکے تھے۔ سہاگنوں کے سر سے وارث اٹھ چکے تھے اور پردوں میں بیٹھنے والیاں ایک کا منہ حسرت سے تک رہی تھیں اتحادی تیغ ان کے گلے کاٹ کر خانماں برباد کر چکی تھی۔ نئے بنائے گھر تاراج ہو چکے تھے۔ اور بے فکر نیندیں سونے والیاں خون میں نہا رہی تھیں۔ سلطنت عثمانیہ کا قریب قریب خاتمہ ہو چکا تھا۔ مشہور اور محفوظ مقامات مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل چکے تھے۔ اور کوئی دم کی دیر تھی کہ عیسائیوں کی متحدہ طاقت اس قسطنطنیہ میں داخل ہو کر جس کے در و دیوار مسلمانوں کے گیت گا رہے ہیں۔ جس کی خاک کا ہر ذرہ مسلمان قربانیوں کی شہادت دے رہا ہے اینٹ سے اینٹ بجا دے۔

نمازی فرض مغرب ادا کر کے روضۂ اطہر سے باہر جا چکے تھے اور مزار مبارک کے سامنے اس وقت بالکل سناٹا تھا گذشتہ مصائب اور آنے والی آفتوں کا خیال کر کے خاتون کی طبیعت بگڑ گئی۔ برقع اتار کر الگ پھینکا اور آرام کا قریب پہنچ کر اس طرح چلائی۔

گنبد خاکی میں آرام کرنے والے عرش نشین مجھ دکھیاری کی التجا قبول فرما، خاک عرب سے پیدا ہو کر آسمان رسالت پر قمر چہاردہم کی طرح روشن ہونے والے نبی میری بپتا پر غور کر!

اے بانیٔ اسلام (صلی علیٰ محمدؐ) آج اسلام پر نہایت نازک وقت ہے۔ ازلی دشمن بربادی کے درپے ہے اور دوست خواب غفلت میں سرشار آسمان تحقیر پر آمادہ اور زمانہ تضحیک پر تیار۔

کشتیٔ اسلام کے ناخدا، عیسائیوں کی متفقہ طاقت اسلام پر حملہ آور ہے اور ترک اس لئے اور صرف اس لئے کہ روضۂ اطہر کے محافظ ہیں۔ اپنی جانیں لڑا رہے ہیں:۔

"اے وہ مقدس رسول!" روحی فداہ" جس نے الخلق عیال اللہ کی تلقین ڈنکے کی چوٹ دی، اے وہ پاک رسول! جس نے بھرے مجمع میں حاتم کی لڑکی کو اپنی چادر اوڑھا کر نامحرم نظروں سے بچایا۔ آج تیری اُمت کی بیاہی ہوئی عورتیں اور کنواری لڑکیاں برہنہ کی جاتی ہیں! ظالم بآواز بلند پکار رہے ہیں کہ کعبۃ اللہ اور مدینہ منورہ تاراج کرنا ہے مسیحی دنیا ان کے ارادوں پر مرحبا کہتی ہے اور اس وقت کی منتظر ہے کہ اسلام روئے زمین سے نیست و نابود ہو جائے۔

اُمی لقب، ہاشمی نسب، رسول برحق ترک و عرب اسلام کا حق ادا کر چکے پھلروا سے لال خون میں نہائے اور اُف نہ کی۔ کلیجہ کے ٹکڑے آنکھوں کے سامنے ذبح ہوئے اور تیوری پر بل نہ آیا۔ سر کے وارث تڑپ کر آنکھیں پھیر گئے! اور جو معصوم مہینوں اور برسوں سینہ پر لوٹے آن کی آن میں بے جان ہو گئے بنے بنائے گھر پل مارنے میں تاراج ہوئے اور جن خاندانوں میں کوڑیوں اور درجنوں انسان رہتے تھے آج سنسان پڑے ہوئے ہیں۔

فخر امم! امت مرحومہ کی ایک نامراد و ناشاد خاتون ہوں جو خاک طیبہ سے اٹھی اور حفاظت اسلام کی خاطر میدان جنگ میں پہنچی۔ ہادی برحق زندہ آئی ہے مگر زخمی آئی ہے اکیلی آئی ہے مگر دو قربانیاں چڑھا کر۔

قابل ناز تھا وہ ہمدم و ہمراز جس نے عمر بھر نباہ کے وعدہ پر ہاتھ پکڑا سب رشتے توڑ اکر اپنے پلے باندھا دن رات آنکھیں بچھائیں اور اعلان جنگ کے تیسرے روز مجھکو گلے لگا کر بوسہ دیتا ہوا میدان کو سدھارا۔ دعائے مغفرت اور مجھ کو بے والی وارث بنا کر شہید ہوا، حضور اکرم! تیرہ برس کی بیاہی رانڈ ہو کر در دولت پر حاضر ہوئی ہے اور ان دو لالوں کو جن کی کو بلیں بھی نہ پھوٹی تھیں، جو نہ پروان چڑھے تھے اور نہ ہوش سنبھالا تھا، برباد کرتی ہوئی بادشاہ دو جہاں، روٹی مانگنے والے معصوم الیاس کے قلعہ کو اپنے سر سے بچا رہے تھے اور دشمن کی گولہ باری دم نہ لیتی تھی، ناشاد و نامراد مگر خوش نصیب ما، اپنی سات اور آٹھ برس کی کمائی راہ خدا پر لٹا رہی تھی کہ ایک گولے نے دونوں لال خون میں نہلا دیئے۔ ان معصوموں کی یاد جنہوں نے دم واپسیں تک دکھیاری ماں کے حکم کی تعمیل کی، جن کی حسرت بھری نظریں ٹکٹکی بن کر ماں کے چہرہ پر پڑیں کلیجہ کے ٹکڑے اڑا رہی ہے!

خاتم النبیین جن پیاروں کو لوریاں دیں اور تھپک تھپک کر کلیجہ سے چمٹایا وطن کے واسطے نثار ہو گئے اور چمنستان زندگی کے وہ پھول جو ابھی کھلنے بھی نہ پائے تھے سنگ دل ماں کے سامنے پیوند زمین ہو گئے!

بانی اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) آج تک آنکھیں ان بچھڑنے والے لالوں پر خون برساتی ہیں رہ رہ کر ہوک اٹھتی ہے اور تھم تھم کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ ننھے ننھے ہاتھ جو ماں کے گلے میں پڑتے تھے لہو لہان ہوئے اور وہ پیارے پیارے

چہرے جن سے پھول برستے تھے ہمیشہ کو کمہلا گئے، اب کوئی اتنا نہیں کہ زخمی ماں کا ہاتھ پکڑ کر گھر تک پہنچا دے مگر سچی خوشی کا دریا دل میں لہریں لے رہا ہے۔ خوب جانتی ہوں کہ بچی تو میری زندگی مسلمان بہنوں کے لئے قابل تقلید ہو گی! مر گئی تو احکم الحاکمین کے حضور میں سرخرو حاضر ہوں گی۔ شوہر کی قربانی کا تاج میرے سر پر اور بچوں کی شہادت کے سدا بہار پھول میری چھاتی پر ہوں گے۔ مگر سرورِ کائنات حفاظت اسلام کا فرض ہمیں تک محدود نہ تھا ہر کلمہ گو بہن جو حبیب خدا کی شفاعت پر ایمان رکھتی ہے، سلطنت اسلام کو دشمنوں کے حملہ سے بچاتی،

مسلمان بہنوں! تمہارے لال تم کو مبارک، تمہارا سہاگ تم کو رہتی دنیا تک عید کی خوشیاں تمہیں نصیب اور دنیا کی بہاریں تمہارے لئے سلامت، مگر جس وقت اپنے بچوں کو کلیجہ سے لگا کر گود میں لو اور تمہاری محبت بھری نظریں ان پر پڑیں اس وقت ان مامتا کی ماری ماؤں کو بھی یاد کر لینا جو اپنے پلے پلائے لال لٹا چکیں اور خود زخمی ہو کر ایک ایک دانہ کو محتاج ہو گئیں۔

تمدن ۱۹۱۱ء

سیاہ داغ

حکومت کے ذلیل گھمنڈ اور نخوت میں فتح کامل اور تیقن غضب کے تمام مراحل طے ہو جانے کے بعد اس وقت جب اراکین دربار ہاتھ باندھے خاموش بیٹھے تھے، سلطان کی چشم قہرآلود اوپر اٹھی اور کہنے لگا "شہر کے یہ گنتا انگر انسان جو کتوں اور گدہوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے اس قابل ہو گئے کہ قصر شاہی کی طرف منہ کر کے بھونکیں، ان کو نہیں معلوم کہ محض ما بدولت کے اقبال شاہی کی طفیل دو نو وقت ان کے پیٹ بھر جاتے ہیں، یہ اطمینان سے سوتے اور مزے سے رہتے ہیں، ہمارے احسانات کا معاوضہ یہی تھا کہ کل رات کو ان کی مکروہ آوازوں نے ہماری نیند میں خلل ڈالا، ضرورت ہے کہ یہ محسن کش یہ نمک حرام، انسان نما جانور اس جرم کی سزا پائیں۔ ان کو نہیں معلوم کہ حکومت کیا طاقت رکھتی ہے، یہ نہیں جانتے کہ بادشاہ کیا اختیار رکھتا ہے یہ نہیں سمجھتے کہ حاکم و محکوم کا رشتہ کیا معنی رکھتا ہے، یہ تلوار جس نے مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک خون کے دریا بہا دیئے، ایک دنیا میں تہلکہ مچا دیا ایک عالم میں قیامت برپا کر دی، ابھی ان ہاتھوں میں موجود ہے یہ ذلیل کمینے، ناپاک اپنی اصلیت کو بھول کر آج ما بدولت کے سامنے منہ کر کے بھونکتے ہیں اچھا ان سب کے ہاتھوں پر ایک سیاہ داغ لگا دو، یہ وہی ہیں جو کل تک ڈاکوؤں، لٹیروں کا شکار تھے، یہ وہی ہیں جن کی گذران کل تک جنگل بناسپتی تھی، یہ وہی ہیں جن کو کل تک اٹھتے جوتی اور بیٹھتے لات تھی، آج ہماری تہمد میں آ کر ان کے پنجروں کی تیلیاں پھیلتی ہیں اور انواع و اقسام کے لذیذ و

مرغن کھانے ان کی غذا بے فکر و آزاد زندگی بسر کر رہے ہیں، اس کا بدلا یہ، اس کا معاوضہ ایسا ذلیل ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ رذیل ۔ ۔ ۔ ۔ جانور ۔ ۔ ۔ تعمیل کرو،،

دربار میں ایک خاموشی اور سناٹا تھا کچھ دیر بعد حکومت کے دوسرے افراد اٹھ کر زمین بوس ہوئے، اور ترقی اقبال کے نعرے لگائے ۔

دفعتہً ایک بڈھا وزیر سامنے آیا، اور عرض کرنے لگا ۔

"کچھ شک نہیں کہ حکومت کی طاقت بہت زبردست ہے مگر مظالم حد سے گذر جانے کے بعد یہ حکومت سے زیادہ طاقتور ہیں، چیونٹی کو شیر، پر کو پہاڑ اور تل کو من بنانے کی طاقت بھی ان میں پوشیدہ ہے، تاریخ سلطنت تیری ہستی سے شروع نہیں ہوتی، یہ سرزمین جس پر آج تیرا ڈنکا بج رہا ہے، تجھ جیسے کتنے ہی اس پر کھیل کر پار ہو گئے، یہ بہت سی آنکھیں دیکھ چکی ہے ۔ آج وہ تاجدار اس کی آغوش میں نہ ہوں ۔ مگر ان کے اعمال اس کے سینے پر موجود ہیں بادشاہ باہر نکل اور غور سے دیکھ، ویران کھنڈر تجھ کو بتا دیں گے کہ طاقت سے نہیں محبت سے رعیت کا دل فتح کرنے والے، بادشاہ ہو کر فقیروں کے آگے سر جھکا دینے والے اس خاک سے اٹھ چکے ہیں جس سرزمین پر آج تو نے مظالم کے پہاڑ چن دیئے ۔ اور جس بے گناہ مخلوق کو کچوکے دے دے کر ذبح کیا ۔ اسی سرزمین ہند نے وہ حکمراں پیدا کئے ہیں جو رعیت کے پسینہ پر اپنا خون بہاتے تھے ۔ تجھے نہیں معلوم قحط نے ان کی صورتیں بگاڑ دیں ۔ کبھی شہر میں پھر اور دیکھ، گشت کر اور سن، ان کے تن پر کپڑے اور پاؤں میں جوتیاں تک نہ رہیں، معصوم بچے بھوکے سوتے ہیں ۔ اور مائیں ان کو تھپک تھپک کر سلا دیتی ہیں ۔

یہ صحیح کہ مصیبت گذر جانے پر یاد نہیں رہتی، مگر زیادہ زمانہ نہیں گذرا جب دشمن نے تیرے حواس باختہ کر دیئے تیرے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں،

اس وقت یہ ہی جانور تیرے کام آئے، اور اپنے کلیجہ کے ٹکڑے تک تیرے لئے قربان کر دیئے۔ ابھی رونے والی آنکھوں کے آنسو خشک نہیں ہوئے اور رسنے والے داغ کلیجوں پر موجود ہیں۔ جو تیری تکلیف کے وقت اپنی مصیبتیں بھول گئے، جنہوں نے فاقے بھگتے اور قربانیاں چڑھا کر تجھ کو یہ دن دکھایا۔ وہ اس سلوک کے مستحق نہیں۔

کیا ہو رہا ہے ذرا سمجھ، اور کیا کر رہا ہے ذرا ٹھنڈے دل سے غور کر، ظلم و ستم کے جو پہاڑ تو ان پر توڑ رہا ہے قہر و غضب کی جو بجلیاں تو ان پر گرا رہا ہے۔ کہیں تیرے ہی لئے مصیبت نہ بن جائیں یہ سیاہ داغ آج تیرا دل خوش کر دے مگر یاد رکھ اور لکھ لے، کل یہی تجھے بُرا دن دکھائے گا"

(۳)

الیاس آباد کی بیوہ سیدانی خدا نے یہ دن دکھایا کہ بچہ کا سہرا دیکھے اپنے ٹوٹے پھوٹے مکان میں باغ باغ بیٹھی ہے، ادھر اُدھر سے مُبارک سلامت کی آوازیں اس کے کانوں میں آتی ہیں، ہنستی ہے، خوش ہوتی ہے اور کہتی ہے۔

"یہ خدا کی عنایت ہے میرے نصیب ایسے کہاں، کس کو امید تھی کہ میرا بچہ جس کو باپ تین دن کا چھوڑ کر مرا، میرے سامنے دلہن بیاہ کر لائے گا، سچ ہے، اس کی شان اسی کو سزاوار ہے، زیروں کو شیر کرنے والا وہی ہے"

میراثنیں دائرہ بجاتی دروازہ میں گھسیں اور کہا:۔

"دولہا کی اماں مبارک، مبارک سہرے کی گھڑیاں"

"ہاں بیوی ہاں آؤ شگون کرو۔ اللہ کی شان ہے۔ اسی نے اپنی قدرت دکھائی"

میراثن "بیوی پرسوں اللہ رکھے برات چڑھے گی؟"

ما "پرسوں نہیں، اترسوں، جمعرات کی ساچق، جمعہ کی برات ہفتہ کی وداع بس پرسوں انشاء اللہ جمعرات کو ساچق بھیجوں گی۔ آج تو اللہ رکھے نو بجے کی گاڑی سے کچھ کپڑا لتا خریدنے جا رہے ہیں"

میراسن "تو بیوی لوٹیں گے کب تک آج منگل تو ہو ہی گیا؟"

ما "وہاں کیا کام ہے۔ بس دن بھر ٹھہر کر اللہ رکھے کل دو بجے رات کو آجائیں گے"

میراسنوں نے دائرہ بجا کر گانا شروع کیا:۔

جا بیٹھا سسرال گوری کا بنڑا

ماں کی باچھیں کھلی جاتی تھیں، پاؤں پر پان بنا کر دے رہی تھی۔ کبھی چھالیہ کی تھیلی لاتی تھی۔ کبھی پاؤں کی لگنی، کہ لڑکا بھی اندر آیا، میراسن بولی:۔

"او بیوی اللہ رکھے دولھا میاں بھی آگئے"

ماں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا، خدا معلوم اس ہستی میں کیا غیر معمولی خزانہ تھا، کہ سر سے پاؤں تک جذبہ مسرت کی ایک برقی رو دوڑ گئی پوچھنے لگی:۔

"بٹیا چیزیں تو سمجھ گئے نا؟"

باتیں تو اس سے کر رہی تھی، مگر دل کی کلی ایک پھول تھا جس کی خوشبو ہر عضو کی مسرت سے ظاہر ہو رہی تھی، چہرہ ایک خاص کیفیت کا مخزن تھا جو مختلف طریقوں سے حقیقی خوشبو کے جذبات دکھا رہا تھا۔ اس کی صورت دیکھتی تھی، اور ساتھ ہی یہ خیال آتا تھا کہ میری زندگی میں میرا بچہ دولھا بنے تیرا کرم ہے، تیرا رحم ہے،

(۳)

بچہ اور بڈھا، مرد اور عورت، شہر کی تمام آبادی کی پیشانیوں پر کلنگ کے

ٹپکے یا سیاہ داغ رنگ چکے، لوگ حیران و پریشان ہیں، کہ یہ داغ جس کا اثر ہماری آیندہ نسلوں تک کے واسطے یقینی ہے، کس طرح دہوئیں۔

مسلمان مسجدوں میں تھے اور غیر مسلم اپنے عبادت خانوں میں صبح کا سہانا وقت تھا کہ ہاتف غیبی کی صدا کانوں میں آئی

مظلوم ہستیوں! تفرقہ باہمی جس نے تم کو یہ دن دکھایا ہے، اب دور کرو۔ اور خلوص کے ساتھ اس خدا کے حضور میں جھکو۔ جو آقا اور غلام، حاکم اور محکوم ظالم اور مظلوم دونوں کا بادشاہ ہے۔

یہ صدا ایک بجلی تھی، جس نے بدنصیبوں کو ان کی اصلی تصویر دکھادی لرز گئے، اور وقت مقررہ پر اس خاص میدان میں چلے، جہاں یہ مظلوم پیشانیاں مالک حقیقی کے سامنے سجدہ میں گرنے والی تھیں۔

(۴)

خدا کی رحمتیں اور آسمانی برکتیں نازل ہو رہی تھیں اس گروہ پر جس کے افراد تفرقہ باہمی دور کر کے گلے ملے۔ یہ مظلوم انسان اپنے داغ کی فریاد حاکم حقیقی کے حضور میں لے جا رہے تھے۔ کیسا دلفریب وقت تھا کہ متواتر تکلیفوں سے اکتاکر بارہ بارہ تیرہ تیرہ برس کے بچے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے ملتجی رحم تھے۔ قابل قدر تھے ان کے معصوم جذبات، کہ اگر کوئی بھولا بھٹکا ناواقف و بے خبر دنیا کے دہندوں میں الجھا دکھائی دیتا تھا تو آواز بلند کہتے تھے یہ جھگڑے ہمیشہ رہیں گے۔ مگر آج حاکم حقیقی سے التجا کا دن ہے چلو اور جھکو، گرو اور روؤ۔

خبر لگی کہ لوہے کے کارخانہ میں کچھ آدمی پیٹ کے کارن مزدوری کر رہے ہیں، گئے اور کہا پیٹ کا بھرنے والا وہی ہے۔ جس سے اس وقت عرض کرنا ہے ہمارا ساتھ دو اور اس بادشاہ سے مانگو جس کا خزانہ لازوال دولت سے مالا مال ہے۔

اہلکار سلطانی جو خدا کی مطلق پرواہ نہ کرتے تھے، ان دو معصوموں پر جو کارخانہ میں جا کر صرف اپنے بھائیوں کو صراط مستقیم پر لا رہے تھے، ٹوٹ پڑے اور ان کو قید کر دیا۔ اس شہر میں ہل چل ڈال دی۔ مظلوموں کی جماعت بچوں کی حفاظت کو دوڑی اور عرض کیا۔ ہم بدنصیب ضرور ہیں۔ محکوم ہونے میں کلام اور غلام ہونے میں شک نہیں مگر ہمارے بچے بالکل بے قصور ہیں۔ انکو چھوڑ دو، تم نے ان کو مارا پیٹ بھر کر پیٹا دل کھول کر تمہاری کھڑاس نکل چکی۔ یہ اپنے کئے کی سزا بھگت چکے۔ ہمارے بچے ہم کو دو، کہ ہم تم کو دعائیں دیتے چلے جائیں۔

نخوت سلطانی، ہوائے نفسانیت میں غلاموں کی فریاد پر قہقہہ مار کر ہنسی اور کہا:۔ ”نکل جاؤ“

جب سائلوں کی التجا ختم نہ ہوئی اور صداقت نے نکل جانے کی تعمیل نہ ہونے دی، تو دستہ سلطانی مسلح طلب کیا گیا، بحث بادشاہ اور رعیت کی نہیں، معاملہ چیونٹی اور ہاتھی کا تھا، چیونٹی گڑ گڑا گڑا کر کہہ رہی تھی۔

”اے عظیم الشان فیل، میرے انڈے بچے دیدے“

عدل و رحم شہر کی چار دیواری سے کوسوں دُور بھاگ چکا تھا۔ مسلح دستہ نے گولیوں کی بوچھاڑ شروع کی، الیاس آباد کا دولھا بیوہ کا لال جو رو رو کر کہہ رہا تھا ہم کچھ نہیں کہتے، فقط ہمارے بچے حوالے کر دو، اپنی درخواست کے جواب میں فیر کی آواز سنتا ہے اور دیکھتا ہے کہ چہرے سے خون بہنے لگا، صداقت کا پُتلا اسلام کا عاشق، وطن کا شیدا قدم پیچھے نہیں ہٹاتا اور کہتا ہے کہ:۔

اس خون کے ہر قطرے سے وطن پرست جماعت پیدا ہو گی، یہ خون ضائع نہ جائیگا اور عنقریب وہ وقت آئے گا ملک اس خون پر خود قربان ہو گا،،

جس بچہ کو دولہا بنانیکے واسطے ایک بدنصیب عورت کے ہاتھ ترس رہے تھے

اسکو خاک میں ملانے کے لئے بیسیوں ہاتھ آگے بڑھے اور متواتر گولیوں نے اسکو ڈھال کر دیا ان ہی قدموں سے خانہ خدا تک پہنچا۔ اور کہا:۔

میری ماں کو میرا سلام اور پیغام پہنچا دینا۔ کہ میں ظاہری آنکھوں سے اوجھل ہوگیا مگر میری موت ابدی زندگی ہے "

(۵)

تاریخ کی جن آنکھوں نے چنگیزی دور دورے دیکھے انہوں نے ایک وہ وقت بھی دیکھا، کہ کس طرح ایک مظلوم جماعت جو صرف دو بے گناہ بچوں کی طلبگار تھی، گولیوں کا نشانہ بنائی جاتی ہے۔ آنکھ جس نے نامور بادشاہوں اور بڑے بڑے علما فضلار کے جنازے دیکھے، یہ منظر بھی دیکھ چکی کہ شہید وطن کے جنازے پر خلقت کا کھوے سے کھوا چھل رہا تھا، پچاس ہزار کے قریب آدمی ننگے سر اپنے جانباز دولھا کی برات میں موجود تھے، اور مسلم اور غیر مسلم اس شمع وطن پر پروانوں کی طرح گر رہے تھے۔ تمام باغوں کے پھول سمٹ سمٹا کر مظلوم شہید کے کفن کو بوسہ دینے آموجود ہوئے تھے، سڑک پھولوں سے پٹی پڑی تھی، اور یہ وہ وقت تھا کہ ایک پھول کسی دوسری جگہ موجود نہ تھا۔

آفتاب جہانتاب دنیا کی لاتعداد مناظر دیکھ چکا، مگر وہ سماں جو ہمیشہ اسکے دل پر نقش رہے گا، یہ تھا کہ مسلمانوں کے واسطے سقے مشکیں لئے کھڑے تھے۔ غیر مسلم اپنے ہاتھ سے ڈول بھر بھر کر وضو کرا رہے اور منہ پوچھنے کے واسطے اپنے دامن اور رومال دے رہے تھے!! ملک پر جو جو ستم ڈہائے گئے اور مظالم توڑے گئے اہل ہندار تاریخ کبھی نہیں بھول سکتی۔ شہید وطن کی روح اس وقت گو موجود نہیں مگر سلطان کے کان تک ہم وہ الفاظ پہنچا دیتے ہیں جو بچے کی خبر موت سن کر بیوہ ماں کی زبان سے نکلے "خوش نصیب ہے وہ ماں جس کی محنت اس طرح ٹھکانے لگے"

انقلاب ۱۹۱۹ء

افراط تفریط

تعلیم نسواں کے سوا ہیں مسلمانوں کی ہر ضرورت سے نا آشنا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں سیاسیات کا اہل نہیں۔ البتہ تبلیغ اور شدھی کے سیلابی جلوؤں نے آنکھیں چوندھیا دیں۔ مسلمان ہوں، مسلمان ماں کا دودھ پیا ہے۔ پلا اور بڑھا ہوں ان ہاتھوں میں اور ان لوگوں میں جن کی زبان پر ہر وقت خدا اور رسول کا ذکر تھا۔ مشکل سے ممکن تھا کہ ارتداد کی جگر خراش صدائیں کانوں میں آئیں اور دل نہ تڑپتا۔ صدائے حق نے بجھی ہوئی راکھ کو کرید ا، شرارے اور چنگاریاں دبی ہوئی تھیں کہ فنا ہو چکی تھیں۔ کچھ تھوڑا سا بھوبل گرمی کرنے میں موجود تھا۔ حرارت رنگ لائی کان کھڑے ہوئے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا تو فضائے انسانی منافرت و محبت دو متضاد شاہراہوں میں منقسم تھی، تبلیغ و شدھی کے مناظر بظاہر دلچسپ بھی تھے اور دلکش بھی اور حق رکھتے تھے کہ ہر ہندو اور مسلمان اس صدا پر لبیک کہے۔ مگر دونوں کوششیں سراب و حباب کی تفسیر بن تھیں۔ دسترخوان اُجلا براق صاف شفاف، برتن دُھلے دھلائے چمکدار بھی قلعی دار بھی۔ لیکن بو تھی گندی، شور با لیسا ندا، المختصر کام دونوں اچھے اور احسن تھے۔ مگر انجام دونوں کا ناقص اور مسموم اور اس کا سبب صرف یہ تھا کہ ان عالی شان محلوں کی بنیاد منافرت پر رکھی گئی تھی۔ شدھی شکار ہوئی گمراہ لیڈروں کی اور تبلیغ وجود میں آئی، شدھی کی ضد پر۔ بہر حال نظر بر حالات موجودہ تبلیغ اگر ضروری اور لازمی تسلیم بھی کر لی جائے اور اس سلسلہ میں ہر کوشش قابل ستائش ہو تو تبلیغ کا جو طریقہ اختیار

کیا گیا وہ لاریب حسن نہیں۔ تبلیغ کی بنیاد اگر حقیقتاً اس اصول پر مبنی ہے جیسا کہ سنا جاتا ہے کہ مسلمان جب تک ہندوؤں سے نفرت نہ کریں گے، وہ ترقی نہیں کر سکتے، تو یہ اصول غلط اور نادرست اس لئے شاہراہ منافرت سے منزل مقصود پہ پہنچنا محال۔ اب رہی شاہراہ محبت، اُدھر سے کچھ توقعات پیدا ہوتی ہیں اور گو اُدھر بھی غلطیاں ہو رہی ہیں مگر غلطی کرنے والوں کا خلوص اتنی امید بندھاتا ہے کہ سنیں گے بھی۔ اور اگر سمجھ میں آگئی تو عمل بھی کریں گے، رہنماؤں نے ہندو مسلم فسادات کے مقتولین و مجروحین کو غنڈوں سے مخاطب کیا ہے۔ مگر ان جھگڑوں میں جو بندگان خدا مرے زخمی ہوئے، سزائیں پائیں ان کا فعل کتنا ہی مذموم کیوں نہ ہو۔ ان کا جذبہ اتنی سزا کا مستوجب نہیں وہ غنڈے ہیں یا نہیں ہیں، مگر وہ غیر نہیں، ان کے عزیز ہیں، ان عزیزوں کے عزیز ہیں۔ ان کے ہم خیال ہیں۔ جب فساد کرنے والے یہ لوگ ٹھیرے تو ضرورت انہیں کے تالیف قلوب کی ہے۔ جنگل میں یہ ہی لوگ اتریں گے۔ ایک مشہور مثل ہے کہ اندھے کو اندھا کہا وہ لڑ پڑا، سجھاکے کو اندھا کہا وہ نہیں لڑا سے[۱]

با ہمیں مرداں بباید ساخت
چہ تواں کرد مرداں ایں اند

کامیابی ہوگی تو ان ہی غنڈوں سے، فساد ختم ہوگا تو ان ہی غنڈوں سے امن اگر حقیقی معنوں میں قائم کرنا ہے تو راہ راست پر لانے کی ضرورت ان ہی لوگوں کی ہے اور اس کا بہترین طریقہ مذہبی جذبات کا احترام ہے۔ اتحاد کی تلاش ہے تو ہندو مسلمان دونوں کو یقین دلائے کہ اعانت جرم بھی جرم ہے۔ گائے کا ذبح کرنے والا دیکھنے میں مسلمان ہو مگر حقیقتاً ہندو ہے، بحث کھیلے کے روزانہ معاملات سے نہیں) اگر ہندو مشتعل نہ کرتا تو مسلمان کو قربانی

[۱] جسے سوجھائی دے یعنی دیکھ سکے

گاؤ کی ضرورت نہ تھی مسجد کی توہین کرنے والا۔ اذان و نماز کے وقت
سنکھ بجانے اور آرتی کرنے والا دیکھنے میں ہندو سہی مگر دراصل مسلمان ہے
جس نے ہندو کو بھڑکایا یہ آفت ڈھائی۔ ذیل کا واقعہ بتائے گا کہ ان جگہ
خراش منافشات کی حقیقت کیا ہے۔

بلبل سرائے سے جمنا بازار تک کی بچی بچائی مخلوق آج بھی شاہد ہے اس
امر کی کہ بنا اور جمن ایسے ہندو اور مسلمان تھے کہ ان کی محبت پر حقیقی بھائی قربان
اتحاد کے سدا بہار پھولوں سے ان کے دل مزین تھے اور صداقت کی جبین پر جان
ان کے گھر کی چیری تھیں، خلوص ان کے مبارک تعلقات کی قسم کھاتا تھا اور اتفاق
کی بیش بہا دولت سے ان کے دل مالا مال تھے۔ محلہ حیران اور پڑوسی ششدر
تھے کہ وقت نے پلٹے کھائے۔ دنیا کہیں سے کہیں پہنچی شاخیں ٹھنڈ
اور پودے جھنڈ ہو گئے۔ مگر بنا اور جمن کی محبت
میں فرق نہ آیا، عقائد کے اعتبار سے دونوں پکے ہندو اور کٹے مسلمان تھے، آندھی
ہو یا مینہہ بیمار ہوں یا تندرست ممکن نہیں کہ جمن کی نماز اور بنا کی پوجا ناغہ ہو
چھوت چھات کی آہنی زنجیروں سے دونوں کے تعلقات آزاد تھے۔ کام کاج سے
فراغت پا رات کو گھنٹوں ایک جگہ بیٹھتے اور باتیں کرتے۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ عقائد
کی کمزوری تھی یا بزرگوں کی دعا۔ مگر جاڑا ہو یا بارش بھادوں ہو یا برسات شام
سے تیل بنا کو مسجد میں چراغ جلا دیتا۔ محلہ کا کوئی متنفس اگر ایمان سے پوچھا جائے
تو آج بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ فساد سے قبل کبھی اس نے بنا کے سوا ملا یا موذن کسی
کے ہاتھ کے جلائے ہوئے چراغ کی روشنی میں مغرب کی نماز پڑھی ہو۔ پھر یہ بھی
نہیں کہ ادائے گی رسم ہو یا وضعداری، بنا جس وقت گھی کا چراغ لے کر گھر سے
چلتا تو حسن عقیدت کے چمکدار موتی اس کی زبان پر لوٹتے وہ پڑا تھضا کرتا چلتا،

دعائیں مانگتا گھٹنا اور جب چراغ جل چکتا تو خاموشی کے ساتھ ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوتا کچھ پڑھتا اور سر جھکا کر اُلٹے قدموں واپس ہوتا دیوالی کی رات کو پھبی کی پوجا کے بعد جب وہ اپنے دھرم کے کام کر چکتا تو چراغ کا بڑا فانوس مسجد میں جا کر رکھتا ملا اور موذن کو مٹھائی دیتا اور خوش ہوتا پناکے کئی بچے تھے مگر جمن کی ایک بچی جو جوان ہو کر ماں باپ کی آنکھوں میں دنیا اندھیر کر گئی تھی۔ مری ہوئی بچی کی نشانی رجو کی یادگار ایک گائے تھی جس کو جمن نے بچوں کی طرح پالا۔ بچوں کی طرح رکھا اور بچوں کی طرح سمجھا وہ اپنی مرنے والی بچی کی یادگار میں اس گائے کو رجو کہتا تھا اور اب اس شفقت پدری کے تمام جذبات گائے کی ذات میں محدود تھے۔ رات کو جب دنیا کے بکھیڑوں سے فارغ ہو کر لیٹتا اور گھر والی سو جاتی تو بچی کی تصویر اس کے سامنے آتی وہ سوچتا کہ اب دنیا کی کوئی طاقت ایسی نہیں کہ رجو کی صورت مجھے دکھا دے روتا ہوا اٹھتا روتا ہوا باہر آتا اور دونوں ہاتھ رجو کے گلے میں ڈال دیتا۔ لپٹتا چمٹتا لپٹاتا اور پیار کرتا اور اس کے منہ پر منہ رکھ کر ٹھنڈے سانس لیتا ہوا خاموش ہو جاتا۔ کوشش کرتا کہ بچھڑی ہوئی بچی کا خیال بھلا دوں۔ اِدھر اُدھر کی باتیں سوچتا مگر گائے کی ایک آہستہ آواز اس کے منتشر خیالات کو مجتمع کر دیتی وہ دیکھتا کہ بے زبان جو لمبے لمبے آنسوؤں سے اپنا منہ اس کے منہ پر مل رہی ہے تڑپ اٹھتا اور کہتا:-

”پیاری رجو رجو کی طرح تو دغا نہ دیجو،،

(۲)

دیوالی کی وہ رات جس نے چادر فلک پر خوف و ہراس کی تصویریں جا بجا بچھا دیں سطح زمین پر دن کو مات کر رہی تھی آسمان اندھیرا گھپ تھا اور زمین بقعہ

نور آج کی سیاہی دیکھ کر تعجب ہوتا تھا کہ کس طرح بیلائے شب کے آغوش میں چاند تارے اٹھکھیلیاں کرتے ہیں اور کس طرح شب سیاہ شب ماہ ہو سکتی ہے۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد بجلی کی چمک ابر سیاہ کا مسلسل جال دکھا دیتی ہے۔ ہوا خاموش تھی مگر پانی کے چھوٹے چھوٹے قطرے روشنی کی بہار کم کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ زلف شب اور آگے بڑھی، ہوا سرسرائی تیز ہوئی۔ جھکڑ بنی بوندیاں بڑھیں زیادہ ہوئیں، دھوتال بنیں اور آناً فاناً اور دیکھتے ہی دیکھتے زمین کی تمام روشنی فنا ہو گئی۔ یہ رات ابتدائی دور تھا۔ نیند نے اپنے ڈیرے نہ ڈالے تھے کہ بازار کی مسجد سے صدائے حق بلند ہوئی۔

نماز پوری طرح ختم نہ ہوئی تھی کہ پنّا ایک ہاتھ میں فانوس دوسرے میں مٹھائی بھیگتا بھاگتا محراب میں داخل ہوا اس نے سجدہ کیا۔ فانوس نذر کیا مٹھائی تقسیم کی اور دل ہی دل میں دعا مانگنے لگا۔ نمازی فارغ ہو چکے تو پنّا اور جمّن باہر نکلے مینہ ہلکا ہو چکا تھا پنّا گھر پہنچا، چارپائی لایا حقہ بھرا اور دونوں باتیں کرنے لگے۔

جمّن: "دیکھ بھیّا پنّا اس سوراج نے کیا آفت ڈہائی پہلے تو یہ سنتے رہے کہ راج اب ملا، اب ملا، آج ملا، کل ملا، بس تھوڑا سا کسالہ ہے۔ پھر تمہیں تم ہو۔ دن رات کے جلسے روز روز کے اشتہار۔ جو ہے وہی کہہ رہا ہے۔ آج فلانے آ رہے ہیں۔ دیکھو کیا ہوا الٹی ہے۔ وہ راج اور سوراج سب خاک میں مل گئے۔ تان ٹوٹی تو اس پھوٹ پر کہ ایک دوسرے کو کھائے جا رہا ہے۔ اب نہ وہ میاں گاندھی بولتے ہیں۔ نہ میاں محمد علی اور شہ دے دے کر منیڈھے لڑوا رہے ہیں کل یہاں بھی جلسہ ہے۔ خدا خیر کرے۔"

پنّا۔ جمّن! تیری عقل بھی گُدی پیچھے ہے کبھی کوئی بات سمجھی ہی نہیں

آج کیا سمجھیگا، یہ تو یار لوگوں کی چال ہے۔ دو چار ادھر سے دو چار اُدھر سے کھڑے ہوئے، پھوٹ ڈلوا دی۔ گاندھی اور محمد علی کا کیا قصور۔ وہ اپنی بساط بھر بہتیرا زور لگا رہے ہیں۔ مگر یہ ایسا شوشہ اٹھا ہے کہ ان کی بھی کوئی نہیں سنتا، ہندو شدھی پر اور مسلمان تبلیغ پر پوٹا ٹیک رہے ہیں،،

چمن "خیر یار تو اس جھگڑے کو چھوڑ کر کل کی کہہ، کہ جلسے میں چلتا ہے؟"

پتنا "ضرور چلوں گا"

(۳)

ایک وسیع میدان میں ہزارہا ہندو مسلمان جمع تھے۔ جلسہ آریوں کی طرف سے تھا اور اعلان کیا گیا تھا۔ کہ جمنا پار کے ملکانے آج شدھ ہوں گے۔ کڑھاؤ چڑھے ہوئے تھے، پوریاں کچوریاں مٹھائی، حلوہ گرم گرم چیزیں طیار ہو رہی ہیں۔ آخر پنڈت جی مہاراج تشریف لائے۔ پھول نچھاور ہوئے۔ ہار پہنائے گئے۔ مجمع لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہا تھا، پنڈت جی مہاراج نے جو تقریر کی اس کے بعض فقرے یہ تھے۔

ناپاک مسلمانوں نے جو مظالم ہم پر توڑے وہ بیان نہیں ہو سکتے۔ ہندو بھائیو کب تک سوؤ گے تمہاری تعداد روز بروز گھٹ رہی ہے۔ مغلوں نے اپنی تلوار کے زور سے ہمارے بھائیوں کو زبردستی مسلمان کیا ہماری لڑکیاں چھینیں اور ہم کو ہر طرح کمزور کیا۔ اگر تم نے اس وقت پوری طاقت سے کام نہ لیا تو ہندوستان میں کوئی تمہارا مرثیہ تک پڑھنے والا نہ ہو گا۔ کھڑے ہو جاؤ۔ اور مسلمانوں کو دکھا دو کہ ہندو دھرم تم سے دبنے والا نہیں۔ یہ موضع جیون پور کے ملکانے جن کے بزرگ زبردستی مسلمان بن گئے، شدھ ہونے کو آئے ہیں۔ چھوت چھات کو الگ کرو اور ان بھائیوں کو اپنے گلے سے لگاؤ۔ ہم خود تمہارے سامنے ان کے ساتھ بھوجن کرینگے اگر ہندو دھرم کی لاج رکھنی ہے تو اٹھو، آؤ، اور ان کو بھائی سمجھو اور ان کے ساتھ

بھوجن کرو۔ اور دشمن کو دکھا دو کہ تم دبنے والے نہیں ہو،،

مسلمان ایک طرف اور ہندو دوسری طرف۔ اس تقریر سے دونوں جوش میں بھر گئے، ابھی تقریر یہیں تک پہنچی تھی کہ پتھر برسے، لکڑیاں چلیں اور اس کے بعد بانڈیاں اور پھر لٹھ

(۴)

رات کی مجبوری نے فریقین کے ہاتھ روک دیئے اور دل کے ارمان دل میں رہے مگر دونوں کے جذبات اس قدر مشتعل ہو چکے تھے کہ رات بھر ہندو سوئے نہ مسلمان پو پھٹ رہی تھی کہ سیلانی جیوڑوں نے یہ خبر اڑائی کہ نہر پر ایک مسلمان لڑکا ہندوؤں نے قیمہ کر دیا، اب کیا تھا لکڑیاں، لٹھ، چھریاں، چاقو، کلہاڑیاں مختلف مقامات پر معرکے ہوئے۔ دونوں بھپرے ہوئے شیر کی طرح شہر میں گشت لگا رہے تھے کہ یہ خبر اڑی کہ باندی والے کنوے پر ایک ہندو کہار پانی بھر رہا تھا۔ مسلمانوں نے اندر پھینک دیا۔ غدر کی سی کیفیت نمودار ہو گئی۔ مگر بعض لوگ الگ قہقہے لگاتے پھرتے تھے۔ شام کے چار بجے تھے کہ ہندوؤں کی ایک ٹولی نے ایک تانگہ آتا دیکھا۔ تانگہ والا مسلمان تھا ایک ہندو نے آگے بڑھ کر ایسا لٹھ دیا کہ چکرا کر نیچے گر پڑا۔ شہزادی بیگم اس تانگے کی مسلمان سواری کا بیان اس قدر درد انگیز ہے۔ کہ اس کے خیال سے اب بھی بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں وہ کہتی ہے میرا پیارا بچہ الطاف سنترہ روز سے بخار میں تھا یہ میرا اکلوتا بچہ تھا اور پانچ بچے جا کر یہ ایک بچا تھا۔ جو اس وقت چوتھے سال میں تھا جس روز سے اس کو بخار ہوا میرے ہوش اڑ گئے بہتیرے علاج کئے۔ مگر بخار نے جنبش نہ کی۔ دیوالی والی رات کو جب میرے بچے کی طبیعت زیادہ خراب ہوئی اس کو سامنے لٹا کر عین اس وقت جب دنیا روشنی کی بہار دیکھ رہی تھی۔ میری بدنصیب آنکھوں نے ان داغوں پر ایک نظر ڈال کر آنسو گرائے جو میرے معصوم بچوں کی

نشانی میرے دل پر موجود تھے۔ وہ مائیں جن کی بھری گودیں خالی ہوئی ہیں وہ باپ جن کی آنکھوں کے سامنے سے کھیلتے مالتے بچے اٹھ چکے ہیں میری طبیعت کا اندازہ اچھی طرح کر سکتے ہیں کہ میری کیا کیفیت ہوگی۔ میں بیوہ ضرور ہوں مگر بے وارثی نہیں ہوں میرا چھوٹا بھائی مدنا پور میں تحصیلدار ہے۔ میری ٹکٹکی اس **الطاف** کے چہرے پر بندھی ہوئی تھی جس نے ہاتھ بڑھا بڑھا کر ہمک ہمک کر کھیل کھیل کر اور ہنس ہنس کر میرا کلیجہ چار سال ٹھنڈا کیا۔ میں نے ہر چند کوشش کی کہ بچہ ہوشیار ہو لیکن وہ ایسا لوٹ ہوا تھا کہ بمشکل آنکھ کھولتا، اور اس قدر کمزور کہ دو لمحہ بعد پھر آنکھ بند ہو جاتی۔ میں گھڑی گھڑی اس کا بنڈا دیکھتی کہ شاید پسیج رہا ہو مگر بدن نہیں تانبا تھا کہ ہر طرف سے تپ رہا تھا۔ اس آسمان کے نیچے سینکڑوں نہیں ہزاروں راتیں میرے سر پر صبح ہوئیں۔ مگر نہیں معلوم وہ رات کس قیامت کی تھی کہ کسی طرح ختم نہ ہوتی تھی۔

(۵)

ہوا کی خنکی خاتمہ شب کا پیغام لائی۔ یہ وہ وقت تھا کہ انسانی مائیں اپنے بچوں کو کلیجے سے چمٹائے، پرند پروں میں دبکائے اور چرند سینے سے لگائے نیند کا لطف رہے تھے کہ میرے بیمار بچے نے آنکھ کھولی۔ قلم اور زبان میں یہ طاقت نہیں کہ میری ان آنکھوں کو جو شام سے ساون بھادوں کی جھڑیاں بہا رہی تھیں۔ اس کیفیت کو بیان کر سکے۔ جو ان پر اس وقت طاری ہوئی۔ جب انہوں نے پیارے **الطاف** کی کھلی ہوئی آنکھیں دیکھیں میں نے دیکھا کہ میرا **الطاف** کانپ رہا ہے اور ڈر رہا ہے۔ میں سمجھ گئی کہ مریض کے دماغ میں کسی خیال نے خواب کی صورت اختیار کی۔ صرف صاحب اولاد سمجھ سکتے ہیں کہ کس طرح میں اس معصوم پر گری اور گود میں اٹھا سینے سے لگایا۔ بچہ خاموش تھا۔ اس کی گھگی بندھ گئی، اور

دونو ہاتھ گردن میں ڈال چمٹ گیا۔ قربان ان ہاتھوں کے جنہوں نے بدنصیب ماں کو آغوش میں لیا۔ ابھی آسمان نے کروٹ نہ لی تھی کہ **الطاف** نے اپنی ڈھلکی ہوئی گردن میری گردن سے اٹھائی اور کہا کہ :۔

"اماں جان باہر چلو"

میں رات کو یہ فیصلہ کر چکی تھی کہ اگر بچے نے رات پکڑلی تو شہر جا کر بڑے حکیم صاحب کے قدموں میں ڈال کر کہوں گی۔ کہ پانچ میں یہ ایک بچا ہے۔ اس کے اتنا کہتے ہی کہ باہر چلو میں برقعہ اوڑھ باہر آئی۔ اسٹیشن پر ٹکٹ لیا اور یہاں آ پہونچی تانگے میں بیٹھ کر بچے کی حالت پھر خراب ہوئی اور بے ہوش ہو گیا۔

مجھ پر اس وقت کیا گذر رہی ہو گی۔ اللہ بہتر جانتا ہے بچے کی بند آنکھیں میری گود میں اور میری کھلی ہوئی آنکھیں اس کے چہرے پر تھیں کہ تانگے والے کی یہ آواز میرے کانوں میں آئی

"مار ڈالا"

اس کے بعد چند آدمیوں نے جن کو میں نہیں پہچان سکتی پردہ الٹ دیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر باہر گھسیٹا۔ غیر مردوں کی صورت دیکھتے ہی مجھے سناٹا آ گیا تھا۔ ان کا ہاتھ پکڑنا میرے لئے قیامت تھی۔ بچہ میری گود سے زمین پر گرا۔ میں نے ہاتھ جوڑ کر ان لوگوں سے کہا :۔

"یہ مر رہا ہے"

انہوں نے مطلق رحم نہ کھایا اور مجھکو اس بیمار بچے پر دھکا دیا جس کے سر سے خون جاری تھا۔ ایک لکڑی میرے سر پر پڑی۔ اس کے بعد جب میری آنکھ کھلی تو میں سڑک کے کنارے ایک درخت کے نیچے تھی۔ الطاف کے جمے ہوئے خون کو بوسہ دیا مگر ہمارا **الطاف** کبھی کا رخصت ہو چکا تھا۔

(۶)

دن بھی اس ہی قسم کے واقعات میں ختم ہوا۔ ہندوؤں کی زد پر اگر کوئی مسلمان چڑھ گیا تو انہوں نے اپنی کرنی میں کسر نہ چھوڑی اور مسلمانوں کے ڈھب پر کوئی ہندو چڑھا تو انہوں نے کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ رات نے گو بیچ بچاؤ تو نہ کیا۔ مگر دونوں کے ہاتھ روک دیئے تاہم جس کو جیسا اور جتنا موقع ملا۔ اس نے اپنی کرنے میں کمی نہ کی۔ جمن بڑھئی کا کام کرتا تھا۔ وہی کنواں کھودنا اور وہی پانی پینا۔ دن بھر مارا مارا پھرا مگر دمڑی نہ ملی۔ شام کو گھر آیا تو فاقہ تھا۔ مگر اس کا پیٹ بھرنے والی گائے موجود تھی۔ رجو کا دودھ نکالا اور دونوں میاں بیوی نے پیا۔ دودھ جمن پی کر نماز کو گیا تو وہاں ایک مولوی صاحب نے فرمایا:۔

یہ اسلام کی زندگی اور موت کا سوال ہے اس سے اچھا وقت مسلمانوں کے واسطے کیا ہو سکتا ہے۔ کہ مارا تو غازی مرے تو شہید۔ یہ ہر مسلمان کے ایثار و قربانی کا وقت ہے جس کا جی چاہے جنت مول لے بد بخت و نابنجار ہندو جو ظلم مسلمانوں پر ڈھا رہے ہیں ان کا بدلہ لینا ہر مسلمان پر فرض ہے،،

رات کے دو بجے تک اسی قسم کی تقریریں اور باتیں ہوتی رہیں۔ مسجد آج مسلمانوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی اور ہر شخص جوش میں ایسا بھرا ہوا تھا کہ اگر آگ کا سمندر بھی سامنے ہوتا تو بلا تامل کود پڑتا۔

جمن گھر پہنچا تو تین بج رہے تھے دو گھنٹے رات کاٹنی اسکو قیامت ہو گئی رہ رہ کر یہ خیال اس کو کاٹے کھاتا تھا کہ اس موقع پر میں اسلام کی کوئی خدمت نہ کر سکا۔ اس کے سر پر کچھ ایسا جنون سوار ہوا کہ پلنگ پر لیٹنا تو درکنار بیٹھنا بھی قسم ہو گیا۔ صحن میں ٹہلتا رہا اور اذان سے پہلے ہی مسجد میں جا پہونچا، نماز پڑھ چکا تو پو پھٹ رہی تھی۔ گھر میں گھسا تو بیوی ہاتھ منہ دھو رہی تھی، حقہ بھرا،

اور بیٹھا پیٹتا رہا۔ بیوی یہ دیکھ کر کہ آنکھوں سے شعلے نکل رہے ہیں سہم گئی، صبح ہوچکی تھی جمن غصہ میں لال اٹھا اور رجو کی رسی کھونٹے سے کھول اس زور کا دھکا دیا کہ بے خبر گائے حیرت سے آقا کا منہ تکنے لگی! بیوی سے نہ رہا گیا تو وہ آگے بڑھی اور کہا کیا کر رہے ہو؟

اس کے جواب میں جمن نے زور سے ایک لات رجو کے ماری مگر وہ بے گناہ اس کے سوا کیا کرسکتی تھی کہ ایک نالہ کر کے خاموش ہو گئی اور جمن نے مچان پر سے ایک آبدار چھری اٹھائی اس کی دھار دیکھ کر گائے تھرا اٹھی۔ بیوی نے ہاتھ پکڑ کر کہا :۔

"کیا کر رہے ہو"

جمن آپے سے باہر تھا، بیوی کا ہاتھ جھٹک کر کہا :۔

"اس گائے کو ہندوؤں کے سامنے ذبح کرونگا"

بیوی جو اولاد سے زیادہ گائے کو عزیز سمجھ رہی تھی قدموں میں گری اور کہنے لگی :۔

"یہ میری بچی ہے"

جمن نے اس کے جواب میں بھی ایک دھکا دیا اور یہ کہتا ہوا گائے کو باہر لے کر چلا "مجھے ہندوؤں سے بدلہ لینا ہے"

چھری ہاتھ میں لئے آگے آگے جمن، گلے میں رسی پڑے پیچھے پیچھے خاموش گائے سڑک پر آئے، گائے نطق سے محروم مگر جن آنکھوں سے محبت ٹپکتی تھی آج ان سے نفرت کے شعلے دیکھ کر متحیر اور جو ہاتھ پیار سے گلے میں پڑتے تھے۔ ان میں آبدار چھری دیکھ کر پریشان ضرور تھی وہ رجو جس نے جانور ہو کر کبھی جمن کے ہاتھوں پھول کی چھڑی نہ کھائی اس زور کی لات سے دہم ہو گئی

چھری دیکھ کر سہمی، بیتاب ہو کر مالک کی طرف مڑی محبت کی گردن بڑھائی اور اپنا سر اس کے سینے سے لگا دیا۔ بے زبان جانور نے ہر امکانی کوشش سے کام لیا مگر جب جمّن نے بیدردی سے اس کے منہ پر تھپیڑ مارا اور رجو نے آنکھیں بند کر کے اپنی گردن ہٹائی تو جمّن کی بیوی جو دراڑوں میں سے دیکھ رہی تھی۔ کانپتی ہوئی باہر آئی شوہر کے قدموں میں سر رکھ دیا اور کہا:۔

"جھگڑا ہندو مسلمانوں کا ہے اور رجو بے گناہ ہے"

رجو کی بے گناہی اور بیوی کی منت سماجت سب بے سود تھی جمّن نے ایک موٹی سی رسی ٹانگوں میں باندھ کر اس زور سے کھینچی کہ رجو چت گری۔ اب جمّن نے چھری ہاتھ میں لے کر رجو کو گھٹنوں سے دبا دیا۔ یہ وہ وقت ہے کہ گائے جو کلیجے کے ٹکڑے رجو کی نشانی تھی جس کو جمّن بھی رجو کے برابر سمجھتا اور رجو کہتا تھا۔ ہاتھ پاؤں بندھی بے کس لاچار پڑی تھی۔ جمّن اس کے سینے پر سوار تھا اور وہ حسرت دیاس سے اپنے شفیق باپ اور مالک کی صورت دیکھ رہی تھی۔ جب چھری کی دہار رجو کی گردن پر چمکی۔ تو اس کی آخری کوشش ایک تھرائی ہوئی آواز تھی جس میں اپنی تمام گذشتہ خدمتیں یاد دلائیں اور اس کی حقیقی بچی رجو کی محبت کا واسطہ دیکر رحم کی التجا کی۔ جمّن کا دل اب تک نہ پسیجا مگر جب اس نے دیکھا کہ گائے اس ہاتھ کو جس میں چھری ہے چاٹ کر اپنی وفاداری ثابت کر رہی ہے۔ تو اس کا ہاتھ رُکا۔ مگر تعصب کی آگ اس قدر مشتعل ہو چکی تھی کہ اس نے اپنی پگڑی اتار آنکھوں پر پٹی باندھی۔ جس وقت جمّن نے پٹی کھولی تو خون کا فوارہ بہہ رہا تھا، اور ذبح ہوئی رجو اس کی آنکھوں کے سامنے دم توڑ رہی تھی۔ اس وقت اس کو ایسا معلوم ہوا کہ اس نے بے زبان رجو کو نہیں اپنی بچی کو اپنے ہاتھ سے ذبح کیا ہے اس نے اپنے چلو میں خون لیا منہ پر ملا اور روتا

ہوا گھر میں گھس گیا!!

مسجد کی توہین اور الطاف کی موت کا بار مسلمانوں پر کس قدر ہے ہم جانتے ہیں مگر کیا کوئی اللہ کا بندہ ہندو دھرم کا پجاری ہمارے اس سوال کا جواب دے سکتا ہے کہ

تجو کے ذبح ہونے کی ذمہ داری ہندوؤں پر کس قدر ہے؟

ہمدرد نومبر ۱۹۳۴ء

صدائے دلِ گداز

اسبابِ زوال اور وسائلِ ترقی

منازل اسلام کا بنظر غائر مطالعہ کرتا ہوا جب ایک سیاح دورِ حاضرہ کی پیچیدہ وادیوں میں پہونچتا ہے تو فطرت اس سے سوال کرتی ہے کہ اس سنگین انقلاب عظیم الشان تغیر اور غیر متوقع انحطاط کے اسباب و وجوہ اس کی رائے میں کیا ہیں؟ وہ کچھ تامل کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ ان ہی اصولوں کا اعادہ کرے جنکے تحت میں اقوام عالم بنتے بنتے معراج کمال پر پہونچیں۔ اور بگڑتے بگڑتے فنا ہوگئیں مگر وہ دیکھتا ہے کہ مسلمانوں کا موجودہ کاغذی ذخیرہ اس جواب سے لبریز ہے۔ وہ بظاہر گونگے ہیں نہ بہرے ان کے دماغ میدان عمل سے ہزاروں کوس دور سہی لیکن وہ جوان دہار تقریروں اور موثر تحریروں میں وہ کسی زندہ قوم سے کم نہیں، ان کی زبانیں اصول ترقی سے آشنا اور ان کے قلم ضابطہ تنزل سے باخبر اور ان کا ادب مقررہ قواعد وضوابط کی اچھی طرح خانہ پُری کرچکا ہے۔ متحیر سیاح اب اس معمولی جواب کو چھوڑ دیتا ہے اور اصول سے قطع نظر کرتا ہوا واقعات تک پہونچتا ہے کوشش کرتا ہے کہ فطرت کو جواب شافی دے، اس کا ذہن دفعتہً فضاء تخیل میں پرواز کرتا ہوا اس مقام پہ پہونچتا ہے۔ جہاں اسلام کا پہلا آفتاب کائنات کے سر پر طلوع ہوا وہ دیکھتا ہے کہ ریگستان عرب کا ہر ذرہ حقیقت سے ہزاروں کوس دور نفسانیت میں مستغرق ہے۔ مگر وہ سنتا ہے کہ اس نفسا نفسی کے محشرستان میں ایک بیکس صدا بلند ہوئی۔ اور ابھی اس صدا کی گونج ختم نہ ہوئی تھی کہ فضائے آسمانی نے ایک متفقہ قہقہہ اپنی گود میں لیا۔ دنیائے عرب اس صدا کا مضحکہ اڑاتے آگے بڑھی اور جب طعن وتشنیع کی بوچھاڑ

خبط و جنون کے اتہام اس صدائے حق کو متزلزل نہ کر سکے۔ تو نہ صرف آبادی کا ہر متنفس بلکہ ویرانہ کا ہر ذرہ تضحیک و تذلیل پر کمربستہ ہوگیا اور بالآخر وہ وقت بھی آگیا کہ عربستان نے اپنے اسلحہ زیب تن کئے اور پوری طاقت سے اس صدا کے مقابلہ پر کمربستہ ہوا۔

آسمان عرب وہ تماشا دیکھ چکا ہے کہ جس کا کوئی یار و مددگار نہیں۔ ملک اپنی پوری قوت صرف کر رہا ہے قانون ہے نہ ضابطہ، ڈر ہے نہ خوف ایک سر کیواسطے ہزاروں تلواریں میان سے باہر آگئیں۔ بڑے بڑے شجاع اور جری جن کی تلواروں سے خون ٹپکتا تھا قتل کا بیڑہ اٹھا چکے ضنجان کا مایۂ ناز فرزند اور عرب کا لائق فخر جری عمر تیغ برہنہ ہاتھ میں لے کر گھر سے نکل کھڑا ہوا ابولہب کی ناہنجار بیوی راستہ میں گڑھے کھود چکی اور ہر شخص بجائے خود ہر قسم کے سامان فراہم کر رہا ہے کہ کسی طرح اس رخنہ اندازی کا قلع قمع کر دے۔ مگر تعجب کی کوئی حد اور حیرت کا کوئی ٹھکانا نہیں رہتا کہ جس زمین پر انسانی گود میں صبح سے شام تک ایک دو نہیں بیسیوں سر سنگین معاملہ میں نہیں باتوں باتوں میں تن سے جدا ہوتے ہیں۔ وہاں ہزاروں متفقہ ہاتھ جن کی اعانت پر در و دیوار کوہ و اشجار کمربستہ ہیں۔ ایک غریب و مسکین بے یار و مددگار نہتے شخص کو مغلوب نہیں کر سکتے اور بالآخر وہ وقت آتا ہے کہ ہنسنے والا آسمان اور رونے والی زمین چیخ اٹھتی ہے جب دیکھتی ہے کہ خالد و فاروق جیسی ہستیاں جو جان کی دشمن اور خون کی پیاسی تھیں رسالت کی تصدیق کرتی ہوئی قدموں پر آگریں!

متعجب سیاح کا صحیح دماغ اس مقام پر پہنچکر چکرا جاتا ہے وہ دریائے حیرت میں غوطہ لگاتا ہوا ابھرتا ہے۔ کچھ سوچتا ہے اور دفعتہً چلاتا ہے اور کہتا ہے:۔

"صداقت! صداقت! صداقت"

فطرت کا مطالبہ ابھی پورا نہیں ہوتا۔ اس کو مزید مفصل اطمینان کی ضرورت ہے۔ اس کا سوال ہے، کہ کیوں اور کس طرح اور کیا طاقت تھی کہ ایک بیکس صدا کروڑوں کلیجوں کے پار ہو جاتی ہے اور آج جب کہ کروڑوں صدائیں اس شاہراہ پر گونج رہی ہیں۔ ایک متنفس بھی اُنکا ہم آہنگ نہیں؟

ایک وہ تھا جس کا کلمہ اس وقت چالیس کروڑ پڑھ رہے ہیں۔ ایک یہ ہیں کہ ایک بھی ان کی طرف رخ نہیں کرتا۔ وہ غیروں کو اپنا کیا کریں گے اپنوں ہی کے اپنے رہنے کے لالے ہیں۔

گرفتار سوال سیاح کا ذہن اب پھر فضاء آسمانی میں اڑا اس نے وہ چمکدار چھوٹے شیشے جو پیش نظر تھے ٹھکرا دیئے اور خاک طیبہ میں جواہر ریزوں کی تلاش کی تو کیا دیکھتا ہے کہ اسی گوہر درخشندہ کی چمک ایک دنیا کی آنکھیں خیرہ کر رہی ہے، مدینہ کی پاک زمین پر آفتاب کی گرم اور تیز شعاعیں پڑ رہی ہیں توریت و انجیل کے دو زبردست عالم ایک یہودی کی دوکان پر کھڑے دریافت کر رہے ہیں "محمدؐ جس نے نبوت کا دعویٰ کیا کہاں ہے؟"

یہودی خاموش تھا کہ سامنے سے، ایک جم غفیر ہُو ہا کرتا ہوا نظر آیا۔ اس میں لڑکے بھی تھے بڈھے بھی جوان بھی اور بیچ میں ایک شخص تھا جس پر چاروں طرف سے پتھر اور لکڑیاں پڑ رہی تھیں۔ یہودی آواز بلند کہتا ہے:

"محمدؐ یہ ہے!"

دونوں متجسس سیاح آگے بڑھے تو دیکھا کہ پتھروں کی بوچھاڑ ہر چہار سمت سے ہو رہی ہے، سر اور پیشانی سے خون بہہ رہا ہے۔ متعجب آنکھوں سے رحم کا پانی گرا اور دل میں کہنے لگے "اگر یہ نبی ہے تو اس کی بد دعا تاراج کر دیگی"

قریب پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ زخمی انسان خون آلودہ ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہتا ہے۔

"ان کو معاف کر کہ ابھی مجھ کو پہچانا نہیں"

دونوں متلاشی حق (بلبلا کر) قدموں میں گرے اور کہا تو۔

"الحق تو رسول ہے"

ششدر سیاح اس واقعہ کو سامنے رکھ کر دنگ رہ جاتا ہے۔ اور زبان پر لا کر تڑپ اٹھتا ہے اور کہتا ہے :۔

قول نہیں، عمل! عمل! عمل!

فطرت کے چہرے پر مسکراہٹ آئی اس نے سیاح کی کامیابی کا اعتراف کیا اور کہا "مگر نبوت محمدی معرض بحث میں نہیں، سوال کا قطعی جواب نہ ہوا۔ ہادی برحق کی رسالت سر آنکھوں پر۔ لیکن اسوہ حسنہ کی تلقین کا وقت نہیں اسباب انحطاط کی تلاش ہے کل کیا تھا اور آج کیا ہے۔ جو تھا وہ معلوم اور جو ہے وہ ظاہر مگر سوال یہ ہے کہ

"کیوں ہے اور کیا ہونا چاہیئے"

سنجیدہ سیاح فطرت کے قدموں کو بوسہ دیکر آگے بڑھا۔ تو اسلام کا بحر ناپیدا کنار آنکھ کے سامنے تھا بسم اللہ کہہ کر کودا اور پہلے ہی غوطہ میں باہر آیا تو دونوں مٹھائیاں جواہرات سے بھری تھیں ہنسا اور کہنے لگا۔

"قرون اولیٰ کی کامیابی کا راز ہمیشہ اس کے کامل یقین میں مضمر تھا۔ جب تک مسلمانوں میں یہ مادہ موجود تھا انھوں نے اپنی ہستی عملاً اسلام پر قربان کی۔ لیکن وہ قربانی کہ اس میں نفسانیت کا شائبہ تک نہ جھلکا جس وقت تک یہ جوش خون کی طرح ان کی رگ رگ میں دوڑتا رہا کہ بے عزتی کی زندگی سے عزت کی موت لا ریب

افضل ہے۔ جب تک دنیا کی کوئی قوت ان کو ان کے کسی قول کو ان کے کسی فعل کو دائرہ اسلام سے باہر نہ لا سکی جس وقت ان کی زندگی احکام کے تحت بیار رہی وہ تاریخ انسانی میں قمر چہار دہم کی طرح چمکے۔

یہاں پہونچکر سیاح خاموش ہوا اس نے اپنی مٹھی کھولی چمکتے ہوئے جواہرات کی حرارت نے فطرت کی آنکھیں چکا دیں۔ سیاح کی آنکھوں سے آنسو گرے۔ اس نے بآواز بلند کہا ؎

الا اے قوم بد قسمت یہ حالت اور یہ صورت
ہوئے اعلیٰ سے ادنیٰ تم بنے شاہوں سے زندانی
خدا کی شان اب وہ دوسروں کو درس عبرت ہوں
کیا کرتے تھے جو کل تک شہنشاہی جہاں بانی
گرا دی قیصر و کسریٰ کی گردن یہ شجاعت تھی
گرے تھے قدموں پہ ایک اندھے کے یہ تھا جوش ایمانی

(نامعلوم)

نظریں بلند کرو اور وہ دیکھو کہ کیا ہو رہا ہے قادسیہ جہاں عیسائیوں کا ٹڈی دل لشکر جمع ہوا تھا مٹھی بھر مسلمان فتح کر چکے جس جگہ تثلیث کے پرے جم چکے تھے۔ وہاں توحید کا جھنڈا لہرا رہا ہے۔ عرب کا مایۂ ناز فرزند خالد بن ولید وہ جری جس کے اسلام قبول کرنے پر بانیِ اسلام کے یہ مقدس الفاظ آج تک ہوا میں ثابت ہیں:— ”مدینہ نے اپنا جوہر میری گود میں ڈال دیا“
اپنی تلوار سے دنیائے تثلیث کو تہ و بالا کر چکا ؎

فتح کا دوسرا دن تھا وہ یا تھا تیسرا شاید
کہ شیر قادسیہ تھی شجاعت جس کی لاثانی

ؔ حضرت عمر کی طرف اشارہ ہے

وہی خالد ٹپکتا خون تھا تلوار سے جس کی
وہی شمع شبستانی وہی شمشیر نیستانی

یوں ہی پھرتا پھراتا ایک دن پہونچا بلا میں
جہاں مفتوح تھے آباد بعد خانہ ویرانی

اکیلا چپ چپاتا جا رہا تھا دیکھتا کیا ہے
کہ بڈھا پھونس گرجا میں کھڑا ہے ایک نصرانی

گیا اندر تو راہب بھی تعجب سے قریب آیا
لگا کہنے کہ "تیری شکل ہے یہ جانی پہچانی

ارے او بے ایمان و بے حیا تو ہی ہے وہ خالد
کہ جس کی وجہ سے ہم نے اٹھائی یہ پریشانی

کیا گلنار ہمارے خون سے تونے قبا و سینہ کو
کرے غارت خدا کمبخت تیری شکل شیطانی

بھرا تھا جوش سینہ میں نہ جب اس پر بھی صبر آیا
تو دھکا دے کے یوں بولا کہ "اے سر تاج حیوانی

شجاعت تیری نا ہنجار یکتا ہے زمانہ میں
تیری جرأت، تیری تلوار، ایک دنیا نے ہے مانی

ارے کچھ پھوٹ تو منہ سے ہوا کیا تجھکو اے ظالم
نہ جرأت ہے نہ طاقت ہے، نہ غصہ نے مسلمانی"

وہ راہب پھونس جو ایک پھونک میں خالد کی اڑجاتا
کھڑا خاموش تھا ساکت، بنا تصویر حیرانی

کہ آئی مسکراہٹ دفعتہً خالد کے چہرہ پر

جواب اس کو دیا اور کس طرح با خندہ پیشانی
کہا "کہہ لے جو کہنا ہو سنا لے جو سنانا ہو
کہ تو معذور ہے اسلام کی وقعت نہیں جانی
تری پہلی ہی گستاخی پہ قصہ پاک کر دیتا
مگر مجبور ہوں ہاتھوں میں ہے زنجیر سلطانی
میرا سلطان، میرا آقا، میرا مالک، میرا مولا
درود اس نام اقدس پر جو ہے اسلام کا بانی
ہمیں یوں حکم دیتا ہے، کرو تعظیم بڈھوں کی
اٹھانا ہاتھ مت ان پر وہ مسلم ہوں کہ نصرانی
میں ہوں ناچار میرا ہاتھ تجھ پر اٹھ نہیں سکتا
لڑائی پاک جذبہ تھا سمجھ مت اس کو نفسانی"
سُنے الفاظ جب خالد کے اور یہ کیفیت دیکھی
تو اس خاموش راہب پر چڑھا ایک رنگ حیرانی
گرا قدموں پہ یہ کہہ کر "خدارا عفو کر مجھ کو
میرا جذبہ تھا شیطانی تیری ہے شان رحمانی
میں ہوں توریت کا عالم شہادت اس کی دیتا ہوں
کہ لاریب وارفع و اعلیٰ ہے یہ تعلیم انسانی
اصول اچھے، عمل اچھا، الحق تیرا نبی سچا
رسول ہاشمی کی شان میں نے آج پہچانی"

اس واقعہ کے بیان کرنے میں سیاح کے جذبات پاکیزہ اس قدر مشتعل

ہو چکے تھے کہ اس کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو فطرت کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ اپنے ہاتھ سے اس کی گردن اٹھائی اور کہا:۔

چمنستان اسلام کا یہ ایک معمولی پھول تھا۔ فرصت ہو تو زیادہ نہیں چند ہی لمحہ تاریخ کی عینک سے اس چمن کی سیر کیجئے۔ پتہ پتہ اور ڈالی ڈالی اسی خوشبو میں بس رہی۔ جس نے راستہ چلتوں کے دماغ معطر کر دیئے۔ المختصر داستان بڑی ہے، اور رات چھوٹی زندگی ہے تو پھر کسی موقعہ پر یہ رام کہانی سن لینا دیکھنے والے دیکھ چکے اور سننے والوں نے سن لیا۔ کہ وسائل عروج کیا تھے اور اسباب انحطاط کیا ہیں۔ مجھے اجازت دیجئے کہ ڈنکے کی چوٹ کہوں کہ آسمان کمال کے تارے توڑنے والے مسلمان وہ تھے۔ جنہوں نے اپنی نفسانیت مذہب مقدس پر قربان کی۔ اور ایثار کے مجسم پتلے بنے کہتا ہوں ہانکے پکارے اور کھلے خزانے، کہ مسلمانوں کی ترقی کا باعث کیا تھا۔

ایثار ایثار ایثار

سیاح کی باتیں کچھ ایسی دلچسپ تھیں کہ فطرت کو دن کاٹنا مشکل ہو گیا، بزم انجم کے کارکن ابھی خواب غفلت میں تھے کہ بزم فطرت پوری طرح جم گئی۔ اور غروب آفتاب کے ساتھ ہی اسباب انحطاط کے نعرے ہواہیں گونجنے لگے ادہر کائنات ارضی نے رات کی تاریکی کو اپنے آغوش میں لیا اُدہر عروس فلک کی پہلی نگاہ آسمانی چوٹیوں سے بلند ہوئی تو دیکھا کہ بزم فطرت برقی روشنی سے جگمگا رہی ہے۔

قدرت کے ہاتھوں نے آسمانی دولہن کا گھونگٹ اٹھایا تو زمین کا نوشہ جہاں دیدہ سیاح مسلمان عورتوں کے آنچلوں کی چھاؤں میں آتا دکھائی دیا۔ خوش آمدید کی صدائیں بلند ہوئیں، کارکنان بزم فطرت استقبال کو اٹھے، اور

ہاتھوں ہاتھ مسند تاریخ پر لائے۔ آج سیاح کا چہرہ خاموش تھا سنجیدگی اسکے قدموں پر لوٹ رہی تھی اسباب انحطاط کے نعروں میں مسافر سیاح کھڑا ہوا چاروں طرف نظریں دوڑائیں خفیف سی مسکراہٹ اس کے چہرہ پر کھیل رہی تھی کہ فطرت نے کہا:۔

"وجوہ انقلاب بیشک درست، مگر کیا اس منزل پر پہونچکر اسباب کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور اس کے بعد کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ اگر ایسا ہے تو یہ کہنا کیا غلط ہو گا کہ اسباب انحطاط کی توضیح تشنہ ہے اور سائل کو اطمینان کامل میسر نہ ہو

یہ کہکر فطرت نے شرمگیں آنکھوں سے گردن نیچی کی تو سیاح تمتما رہا تھا۔ اس نے پھر ایک نظر چاروں طرف دوڑائی اور کہا۔

اسباب انحطاط میں اب اس غلط فہمی کی مکروہ صورت چشم مسلم کی روبرو آتی ہے جس نے اسلام کا زرین لباس چیتھڑوں سے بدل دیا اور وہ سر جن پر تاج شاہی جگمگا رہے تھے دردر کی ٹھوکریں کھانے لگے۔ ابتدائی منزل وہ تھی جس میں مسلمانوں کا ہر قدم ورس توحید تھا اور منزل مقصود یہ ہے کہ مجسمہ اسلام بحیثیت مجموعی صبغۃ اللہ کے ٹکڑے اڑا کر بت پرستی کے رنگ میں شرابور ہے۔ وہ گردنیں جن کو ایک ازلی و ابدی طاقت کے سوا کسی کے روبرو جھکنا حرام تھا۔ تمام دنیا کو سجدہ کرنے لگیں جس کے شباب نے حجر اسود کو تامل سے بوسہ دیا۔ اس کا انحطاط مٹی کے ڈھیروں اور لکڑی کے ٹکڑوں پر ناکیں رگڑ رہا ہے۔ نظر اونچی کیجئے اور ذرا اس سنسان و تاریک وادی میں قدم رکھئے جس کا آفتاب بھی مخزن ظلمات ہے۔ تاریخ آپ کی رہنمائی کرے گی اور آپ کے سامنے چودہ سو برس پہلے کا وہ منظر ہو گا جس کی زمین، زمین کا ہر درخت

اور درخت کا ہر پتہ معبود سمجھا جا رہا ہے۔ ناہنجار محسن کش مخلوق اس سے زیادہ ظلم خالق پر کیا کر سکتی ہے۔ اسلام کا وجود حقیقتاً ان مظالم کی تباہی اور حقوق اللہ کی تصریح تھی جس کے جلو میں حقوق العباد کا پورا دفتر موجود تھا۔ لیکن کسے خبر تھی کہ یہ اسلام جو آج ارشاد رسول پر بھی تکرار کر رہا ہے کل معمولی مسلمان کو خدائی اختیارات عطا کر دیگا اور جس بارگاہ میں بڑے بڑے انبیاء اور اولیاء قدم رکھتے ہوئے تھراتے ہیں وہاں ایک معمولی فقیر راج کرینگے۔ جہاں داؤد اور یعقوب جیسے پیغمبر عاجز و مجبور تھے وہاں پانچ پیسہ کا تعویذ کارگر ہوگا۔ اور جس نے وادیٔ مقدس میں موسیٰ کی خرمن ہستی تباہ کر دی وہ ہر قبر میں اپنے قدر دانوں کی تشریف آوری کا انتظار کریگا۔

میں دیکھ رہا ہوں کہ وسائل عروج کے متلاشی مسلمان میدان ترقی میں بسرعت گامزن ہیں۔ مگر جب ان کے گذشتہ اعمال کا ذخیرہ آنکھ کے سامنے آتا ہے تو تھرا اٹھتا ہوں اور معاً دماغ اس جلیل القدر انسان کی طرف رجوع کرتا ہے جو آسمان اسلام پر عمر کی ہیبت میں طلوع ہوا یہ وہ قمر چہاردہم تھا جس کی پاک ہستی نے اسلام کو چار چاند لگا دیئے جس کی چمک نے انسانی دنیا کی آنکھیں خیرہ کر دیں وہ انسان جس نے پیکر فاروقی میں سرزمین اسلام سے ایسے پھول مہکا دیے کہ آج تک تاریخ ان سے معطر ہے۔ وہ سچا مسلمان جو امیرالمومنین کی حیثیت میں شرک کے ہر شعبہ کو تاراج کرتا ہوا مسلمانوں کو اس مقام پر لے گیا جس کا ہر فرد کلمہ توحید کا ڈنکا بجا رہا تھا۔ خلافت ثانی کے واقعات پیش نظر رکھکر جو دور حاضرہ روبرو آتا ہے تو یہ تقابل چشم بینا کے واسطے خنجر آبدار بن کر کلیجہ کے پار ہوتا ہے اور بدن کے ہر رونگٹے سے یہ صدا برآمد ہوتی ہے۔

اسلام اسلام اسلام

وہ درد جس کا علاج، وہ مرض جس کی شفا، اور وہ مصیبت جس کا تدارک نظر نہیں آتا یہ ہے کہ وہ شے جس کا نام آتے ہی مسلمان تڑپ اٹھتا تھا، آج گڑیوں کا کھیل ہوگئی۔ میرا مقصد اس کتاب مقدس سے ہے جس نے بڑے بڑے سرکشوں کی گردنیں جھکا دیں۔ جس نے عرب کے دشمن جاں روسیوں سے کتاب اللہ کی سندلی۔ اس کا حشر ہندوستان کے جان نثار دوستوں میں یہ ہوا کہ ہر فرقہ اپنے مطلب کے معنی لے رہا ہے۔ کشتی امت مرحومہ کے یہ ناخدا جو قوم کو پار لے جانے کے مدعی ہیں کاش ذرا نظر بلند کریں اور سامنے دیکھیں کہ ایک غیر مسلم گروہ ان کی کتاب اللہ کا مضحکہ اڑا رہا ہے۔ معاملہ ٹیڑھا اور موقعہ نازک ہے ضرورت تھی کہ مسلمانوں سے ایک سوال میں بھی کرتا۔ مگر مصلحت نہیں کہ دل کی بات زبان پر آجائے۔ تاہم اتنا ضرور کہوں گا کہ برادران ملت تم اور تمہاری تلقینیں سب درست جنت کی کنجی تمہارے ہاتھ میں اور خدا کی خوشنودی کے تم مالک مگر اسلام کو اس طرح پامال اور تاراج کرکے منزل مقصود پر پہونچے تو کیا پہونچے۔

سیاح نے اس کے بعد چند لمحہ کے واسطے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ فطرت نے گردن اٹھائی تو دیکھا کہ مقرر خاموش ہے۔ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ سیاح نے اپنی آنکھ کھولی اور کہا:۔

اسباب انحطاط کی تصریح میں نے حتی الامکان اچھی طرح کردی مگر سخت ظلم ہوگا اگر اس سلسلہ میں اس ستم کو نظر انداز کردوں۔ جو نفس پرور مسلمانوں نے محبت کے لباس میں عورت پر توڑ کر اس کی ہستی تاراج برباد کردی۔ واقعات دلچسپ اور بات پر لطف ہے اس لئے ذہن پیچھے ہٹا۔ اور رنگ برنگ کے منظر سامنے آگئے کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس نازک اور سخت گھڑی کو فراموش کردیں جس میں مرد کی دنیا نے عورت پر آفت ڈھانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ کس کی مجال ہے کہ اس

معاملہ میں میرے روبرو لب کشائی کر سکے، میں اس معاملہ میں دنیا کے تمام مذاہب کو کھنگال چکا ہوں ان کی رائے ان کے فیصلے ان کے عمل سب میری آنکھ کے سامنے ہیں رومن لا کو میں نے پرکھا، یونان کا مطالعہ میں نے کیا، ہندوستان کی حالت میں نے دیکھی، چین کو میں نے ٹٹولا، مگر دنیا کا کوئی گوشہ اور آبادی کا کوئی خطہ ایسا نہ ملا جہاں عورت مرد کے مظالم سے محفوظ ہو۔ میں اس وقت ان دنوں اور راتوں کا ذکر کر رہا ہوں۔ جب اسلام کا سایہ عورت کے سر پر نہ پڑا تھا۔ کیا رومن لا کے آشنا ایمان کے اس فیصلہ پر آنسو نہ گرائیں گے کہ وہ کنواری ہے تو باپ کی اور بیاہی گئی تو شوہر کی قطعی ملکیت ہے"

کیا موجودہ دنیا یونان کے اس قیامت خیز ظلم کو بھول سکتی ہے جب عورت کا منفقہ گروہ بھڑکتے ہوئے شعلوں میں خاک سیاہ کیا گیا۔ رہا ہندوستان وہاں سیتا جیسی مقدس ہستیاں اپنی کہانیاں خود ہی اپنی زبان سے سنا رہی ہیں افسوس یہ ہے کہ بدھ ازم نے بھی اس مظلوم ہستی کو اپنے ہاں پناہ نہ دی، تعجب ہوتا ہے کہ جس دستر خوان سے آدمی اور چرند اور پرند سب اپنا پیٹ بھریں۔ عورت کو وہاں کبھی ٹکڑا نصیب نہ ہو۔ اور آخر وقت گوتم بدھ جیسے انسان کی زبان سے عورت کے واسطے اپنی شاگردوں کی موجودگی میں کفر در الفاظ نکلیں۔ میرا خیال ہے کہ باحمیت تاریخ شرم کے مارے اپنا منہ چھپائے گی، جب میری زبان سے یہ لفظ نکلیں گے۔ کہ اس دنیا میں ایک گھڑی ایسی بھی گذری ہے اور آسمان کی آنکھیں وہ جگر خراش تماشہ دیکھ چکی ہیں۔ جب مرنے روپیہ کی طرح عورت کا لین دین کیا، حاشا و کلا میرا مقصد کسی کی دل آزاری نہیں اسی لئے واقعات کی صراحت سے مجبور ہوں، لیکن جو کہہ رہا ہوں وہ حقیقت ہے۔ ضرورت ہے کہ اس وقت میں آپ حضرات کو سرزمین عرب پر پہنچا دوں، جس کے ہتھیار گرٹے ہے اور اندھے کنوئیں مظلوم

معصوم بچیوں کی ہڈیاں اپنے آغوش میں لئے ان مظالم کی یاد دلا رہے ہیں جو قبل از اسلام عورت پر ڈھائے گئے۔

جس وقت دنیا عورت کے ساتھ بدترین اور قابل نفرین سلوک کر رہی تھی اس وقت اس بدنصیب ہستی نے ہر ملک اور ہر قوم ہر مذہب اور ہر ملت کا دروازہ کھٹکھٹایا مگر انسانی تاریخ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ یہ مظلوم ہستی ہر جگہ سے دھتکاری گئی، اور کسی جگہ پناہ نہ ملی۔

اس نے حسرت و یاس سے ایک ایک کی طرف دیکھا مگر جدھر گئی ادھر ہی دھکے ملے تاآنکہ ریگستان عرب سے وہ صدا بلند ہوئی جس نے اپنے ان الفاظ سے دنیا کو تھرا دیا کہ:۔

"عورتوں کے حقوق بھی تم پر ہیں"

جس دنیا نے عورت کو ٹھکرا رکھا تھا جس کی رائے میں اس کا وجود کوئی وقعت ہی نہیں رکھتا تھا وہ ان الفاظ کو سنتے ہی چکرا گئی اور ابھی تعجب انگیز نگاہیں اور حیرت انگیز کان چکرہی میں تھے کہ اسلام پوری طاقت سے اس بدنصیب ہستی کی حمایت کو آگے بڑھا اور جس کو مردوں نے ارذل المخلوق بنا رکھا تھا، رحم کے ہاتھ بڑھا کر اسکو آغوش میں لیا۔ ابھی دنیا کا یہ ظلم ختم نہ ہوا تھا کہ اسی ہوا سے ایک دوسری صدا بلند ہوئی جس نے صفحۂ انسانیت پر اس مظلوم ہستی کو مردوں کی صف میں ان الفاظ سے برابر بٹھایا کہ

"وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو"

میں نے شاید شروع میں کہا ہے کہ اسلام کی کامیابی کا راز قول نہیں عمل تھا۔ یہ صرف زبان سے کہنے کی باتیں نہ تھیں۔ اسلام نے ان پر عمل کیا۔ یہاں تک کہ دم واپسیں بانی اسلام کے جو الفاظ اس وقت تک محفوظ ہیں وہ یہ ہیں کہ

"عورت کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤ"

مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں ہوسکتا کہ انسانیت چونکہ عورت کی سرشت تھی، اس لئے اس نے عورت کے احسانات کا معاوضہ اس طرح ادا کیا۔ کہ وہ ہر میدان میں مرد کے دوش بدوش کام کرتی رہی۔ اس نے اپنے کلیجے کے ٹکڑے اسلام پر قربان کئے اور مذہب مقدس کی خاطر اپنی دولت لٹائی اور میں یہ کہنے میں یقیناً حق بجانب ہوں، کہ آج جس قصر اسلام میں مسلمان اطمینان سے بیٹھے حکومت کر رہے ہیں اس کی بنیادیں عورت کے ایثار پر قائم ہیں اور جس اسلام نے دنیا سے اپنا لوہا منوالیا۔ اس میں عورت کا ہاتھ مرد سے کم نہ تھا۔ اب بھی کہ وقت کی طاقت نے مسلمانوں کی غفلت کا ان کو پوری طرح مزہ چکھایا۔ اگر اس تناور درخت کو جس کی جڑیں کھوکھلی ہوگئیں، کھود کھود کر دیکھیں تو معلوم ہوجائیگا کہ اس کو عورت نے اپنے خون سے سینچا ہے اگر شمع انصاف ہاتھ میں لے کر ایمان کی روشنی میں ملاحظہ کیجئے، تو کہنا پڑیگا کہ عروج اسلام میں عورت کے ہاتھ نے پوری طاقت سے کام کیا ہے۔

اگر ایک طرف خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے احسانات سے اسلام کی گردن جھکی ہوئی ہے تو دوسری طرف دامن اسلام ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے پھولوں سے لبریز ہے۔ اگر ادھر خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ کی خدمات بساط اسلام پر قمر چہاردہم کی طرح چمک رہی ہیں تو ادھر چمنستان حدیث و مسائل میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی قابل قدر منتی بقائے دوام کے پھولوں سے آراستہ ہے، چشم تامل سے مطالعہ کرنے والے مسلمان پر یہ حقیقت بآسانی آشکار ہوسکتی ہے کہ اسلام کے ہر شاخ کی کامیابی میں عورت مرد کے ساتھ برابر کی شریک ہے، اشاعت اسلام میں اس کی خدمات فراموش نہیں ہوسکتیں۔ میدان جنگ

ہیں اس کے ایثار سے اغماض نہیں ہو سکتا ، وہ سخت سے سخت قربانی میں ثابت قدم
نکلی اور اپنی قابل قدر خدمات کے معاوضہ میں اس نے اسلام سے وہ حقوق حاصل کئے
جن کی نظیر دنیا میں موجود نہیں ۔

اتنا کہہ کر سیاح خاموش ہوا اور اس کی آنکھ سے آنسو بہنے لگے اس نے
پھر اپنی زبان کھولی اور کہا : ۔

" کیا ہندوستان کے مسلمان جو آج اسباب انحطاط کا رونا رو رہے ہیں
براہ کرم اپنا منہ گریبان میں ڈال کر دیکھ اور بتا سکتے ہیں کہ انہوں نے اس درماندہ
ہستی پر قیامت توڑنے میں کیا کمی کی ہے ۔ کیا بدنصیب قوم اس الزام سے بری
ہو سکتی ہے کہ مسلم آبادی کا نصف حصہ بالکل معطل کر دیا ! جو دشمن پر بجلی ہو کر گری
جس نے دوست کے چمنستان حیات میں سدا بہار پھول کھلائے آج اس کا کام بچے
پیدا کرنا اور کھانا کھلا دینا ہے !! "

اس کے بعد سیاح اپنے آنسوؤں کی طرح جو قہقہہ مارتے ہوئے تخیل میں
غائب ہو گئے یہ کہتا ہوا آنکھ سے اوجھل ہو گیا ۔

" مسلمان اگر حقیقتاً ترقی کے خواہشمند ہیں تو ان کا پہلا کام یہ ہے کہ قرون اولیٰ
کی طرح عورت کو اپنے ساتھ شامل کریں ورنہ یاد رکھیں کہ اگر وہ منفقہ طاقت سے
کام نہ کریں گے اور عورت کے احترام کو اسی طرح پامال کریں گے جس طرح کر رکھا ہے
تو ان کی کامیابی یقیناً محال "

تنظیم اگست ۲۴ء

گُلونتیاں

جب شہرزاد صوفی دلریش کی داستان ختم کر چکی تو شمع جھلملا رہی تھی نظر اٹھا کر دیکھا تو آسمان کروٹ بدل چکا تھا اور ہوا کے جھونکے سرد ہو گئے تھے۔ خاتمہ شب کا خیال آتے ہی شہرزاد کا ذہن نتیجہ پر پہونچا۔ تیغ آبدار سینکڑوں بیگناہ عورتوں کو موت کی گھاٹ اتارنے کے بعد آج اس کے سر پر لٹک رہی تھی۔ سوچنے لگی کہ ایک یا دو ساعت کی اور مہمان ہوں۔ آج کے آفتاب کی پہلی شعاع شہرزاد کے تن بے سر پر پڑے گی۔ میرا مقصد درست، میری نیت ٹھیک اور میرا جذبہ پاک تھا۔ میری غرض صرف یہ تھی کہ یہ شرمناک دستور کہ ہر رات ایک کواری لڑکی بادشاہ کی خواب گاہ میں داخل ہو کر صبح قتل کر دی جائے جو دامن انسانیت پر کلنگ کا ٹیکہ ہے جس طرح بھی ممکن ہو قطعًا فنا کر دوں۔ بادشاہ کا خرمن عیش خاک سیاہ کروں اور اس چمنستان عصمت کو جہاں نفس شاہی نے ہر سمت خاک اڑا رکھی ہے اپنے خون سے لالہ زار بنا دوں۔ قصر عفت کی بنیادیں مادر وطن کی ایک ادنیٰ کنیز کے کندھوں پر قائم ہوں اور دنیا کا مستقبل اچھی طرح دیکھ لے کہ کس طرح عورت اپنی جان عصمت پر قربان کر سکتی ہے۔ میں سمجھتی تھی کہ قدرت اس پاک مقصد کی تکمیل میں میری مددگار ہوگی اور جس وقت یہ ناتوان ہاتھ اپنی بے بس بہنوں کی حمایت کو ظالم اور طاقتور بادشاہ کے مقابلہ میں میدان جنگ کی طرف بڑھیں گے تو کائنات کی پوشیدہ اور مخفی قوتیں ہم رکاب ہوں گی۔ فتح کا سہرا کمزور کے سر ہوگا اور اس کشمکش کے انجام کا ہر ذرہ زندہ مخلوق کے واسطے درس عبرت بنے گا۔ لیکن حقیقت یہ ثابت ہوئی کہ

قدرت کی اعانت صرف ان ہی لوگوں کے واسطے ہے جو خود اپنی مدد کر رہے ہیں اتنا سوچکر شہرزاد نے مصمم قصد کیا کہ تلوار ہاتھ میں لے کر حملہ کرے اسی وقت نسوانیت کے تمام جذبات بھڑک اٹھے سفنے شہرزاد کا چہرہ غصہ سے سُرخ تھا۔ جسم کانپ رہا تھا، چاہتی تھی کہ کھڑی ہو دیکھتی کیا ہے کہ چاروں طرف جلاّد ننگی تلوار ہاتھ میں لئے سر پر کھڑے ہیں اور صرف شاہی اشارے کے منتظر ہیں مصلحت جوش پر غالب آئی بادشاہ کی طرف رخ کیا اور کہنے لگے۔

"عالیجاہا! تاجداران شرقیہ نے رعیت کو ہمیشہ اپنے بال بچوں کی طرح پالا آسمان کی روشن آنکھیں ان شفقت آمیز مواقع پر دلچسپ مناظر اور موثر کیفیات کا مطالعہ کر چکی ہیں جن سے دور حاضرہ معہ مستقبل قطعی محروم ہے پردہ دنیا اس رات کو ہمیشہ کے لئے وداع کر چکا کہ دلّی کی خاک سے اٹھنے والا جلیل القدر شہنشاہ جو دن بھر تخت شاہی پر جلوہ افروز رہا رات کے اندھیرے میں قلندری لباس پہنے دو بہنوں کے گھر پر اس لئے بھیک مانگ رہا ہے کہ دعوے کی حقیقت روز روشن کی طرح آشکارا ہو، خاک اکبر آباد اب وہ صبح نہ دیکھے گی کہ بھرے دربار میں تاج شاہی ایک غریب اور مفلس عورت کے قدموں میں ڈال کر دیتے ہوئے بادشاہ نے یہ الفاظ کہے

"تیری عصمت کی قیمت اس سے بہت زیادہ ہے"

کیا چشم بنارس اس واقعہ کا دوبارہ انتظار کر سکتی ہے کہ مسلمان بادشاہ اس لئے کہ رعیت کی دل آزاری نہ ہو مسجد کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتا ہے۔

لیکن اے بادشاہ کس کو خبر تھی کہ پھولوں کی سیجوں پر سونے والے بچے دو دو دانوں کو محتاج ہوں گے اور ثریا ملکہ مشرق کی دونو ناہنجار بچیاں ایسی کلونتیاں ہوں گی کہ ماں کو ناک چنے چبوا دیں گی، ملکہ جس کی چوکھٹ پر

پر اچھے اچھے بادشاہ ناکیں رگڑتے رہے۔ ہڈیوں کی مالا اور زخموں کی پوٹ بنجائیگی دم واپسیں حلق میں ہوگا حسرت سے بچیوں کا منہ تکے گی۔ اور ناشاد و نامراد لڑکیاں پانی کا ایک قطرہ حلق میں نہ ٹپکائیں گی۔ شہرزاد یہیں تک پہونچی تھی کہ بادشاہ نے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔

"بدبخت مشرق کے ذلیل کارنامے اس سے پہلے بھی میرے کان تک پہونچے ہیں ثریا کی مفصل داستان سننے کا مشتاق ہوں" اتنا کہہ کر بادشاہ رخصت ہوا اور شہرزاد رات کا انتظار کرنے لگی۔

غروب آفتاب کے بعد بادشاہ کا حکم ہوتے ہی شہرزاد سنبھل بیٹھی اور عرض کیا:۔

"بادشاہ سلامت! بدبخت ثریا دنیا کی وہ بدنصیب ملکہ ہے جس کی حالت پر کائنات کا ہر ذرہ نوحہ خواں ہے اس کی داستان جگر خراش ہے اور اگر زیادہ نہیں تو اس قدر ہمدردی کی مستحق ضرور ہے کہ ہر ذی ہوش اس کے انقلاب پر دو آنسو گرائے، باپ کی اکلوتی بچی دولت و حسن ہر اعتبار سے یکتا تھی۔ ابھی جوانی کا تاج سر پر آیا بھی نہ تھا کہ دنیا کے ہر حصے سے شادی کے پیام آنے شروع ہوئے میری ذاتی رائے یہ ہے کہ شہنشاہ ہر سوال کے مسترد کرنے میں حق بجانب تھا۔ کیا مغرب اور کیا شمال و جنوب ایمان کی بات یہ ہے کہ کوئی بادشاہ یا بادشاہ زادہ ثریا کا اہل نہ تھا۔ مگر وقت کی بات ہے کہ ثریا بیمار پڑی ہر چند علاج کئے شفا نہ ہوئی۔ بڑے بڑے حکیم اور طبیب وید اور سیانے تھک کر بیٹھے اور ہار کر چپ ہوگئے لیکن تدبیر کارگر نہ ہوئی، تقدیر یہی تھی یا کیا تھا یہ فیصلہ مشکل ہے شہنشاہ مایوس ہوا تو اعلان کر دیا کہ جو شخص شہزادی کو اچھا کر دے شہزادی اسی کی، دنیا ٹوٹ پڑی، مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ یہ وہ وقت تھا کہ نہ صرف

بادشاہ اور بادشاہ بیگم بلکہ ہر شخص نا امید تھا اور وہ ثریا جس کے حسن کا سکہ ہفت اقلیم پر بیٹھا ہوا تھا، ایک ڈھانچ رہ گئی۔ شہنشاہ ذی الاقتدار کی آنکھوں میں دنیا اندھیر تھی اذن عام تھا کہ جو چاہے آئے اور دیکھے اب قدرت اپنی نیرنگی اس طرح دکھاتی ہے کہ دوپہر کے وقت سات سمندر پار کا رہنے والا ایک پردیسی سیاح وارد ہوا ملکہ کو دیکھا اور علاج شروع کیا۔ علاج کیا جادو تھا کہ ہفتہ ہی بھر میں بیمار کہیں سے کہیں پہونچ گئی، مہینہ پورا نہ ہوا تھا کہ غسل صحت ہو گیا۔

اعلان شاہی کے موافق معالج ثریا کا جائز حقدار تھا اراکین دربار میں چہ میگوئیاں ہوئیں، اختلاف زبردست تھا اور خرابی یہ تھی کہ ولیعہد سلطنت ثریا تھی، مگر شہنشاہ قول دے چکا تھا اس قرار کے موافق ملکہ ثریا پردیسی کے حوالہ کر دی گئی۔ مشرقی عورت کا وجود جہاں محبت کا بہترین نمونہ ہے وہاں اس کی ذات میں چشم بینا غلامی کی بدترین تصویریں دیکھتی ہیں وہ پروانہ وار مرد پر نثار ہوئی جیتی جاگتی چتا میں بیٹھی مگر اس کی بڑی سے بڑی حیثیت پالتو جانور سے آگے نہ بڑھی افسوس اور قلق اس امر کا ہے کہ پردیسی سیاح بھی جس کے ساتھ انسانیت کے لمبے لمبے اور چوڑے چوڑے دعوے تھے۔ یہاں کا رنگ دیکھ اسی ڈھرے پر چل پڑا۔ بادشاہ کی آنکھ بند ہوتے ہی کھل کھیلا اور تخت نشین ہوتے ہی ملکہ کو بجائے محبت کے طاقت کی زنجیروں میں ایسا جکڑا کہ مسکنا مشکل ہو گیا، کہنے کو راج پاٹ ثریا کا تھا، مگر اتنی مجال نہ تھی کہ کسی معاملہ میں دم مار سکے۔ خاندان شاہی کے افراد رنگ دیکھ چوکنے ہوئے۔ لیکن سانپ ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ سانپ کی طرح سر دھنتے اور تقدیر کو روتے "

ثریا کہنے کو ملکہ تھی ورنہ شوہر کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی طرح ناچ رہی تھی، بادشاہ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں کہ اپنا پوت اور کا ڈھینگرا، انقلاب ثریا

کا تمام بار سیاح پر رکھ دوں۔ میری رائے میں سیاح نے جو کچھ کیا فطرت تھی اور خلاف فطرت توقع قطعاً غلط ذمہ دار۔ اصلی ثریا کے عزیز و اقارب شہنشاہ کے پس ماندگان دربار کے اراکین ہیں، جنہوں نے اپنی آنکھ سے ملک کی تباہی و بربادی دیکھی، امرا محبوس اور رؤسا جلاوطن ہوئے مگر ان کی تیوری پر بل نہ آیا، قصہ کوتاہ بالآخر وہ وقت بھی آیا کہ محلوں کے بسنے والی ثریا دونوں ناہنجار بچیوں کے طفیل دو دو دانوں کو محتاج ہوئی چاروں طرف بھیک مانگی اور پیٹ نہ بھرا فاقوں نے ہنستی جیسا ڈیل کانٹا اور طباق سا چہرہ سیپی کر دیا۔ جب وقت آخر ہوا اور زندگی کی امید منقطع ہوئی اس نے بہ منت دونوں لڑکیوں کو اپنے پاس بلایا اور ان سے کہا:۔

"پیاری بیٹیوں۔ میں شکر گذار ہوں تم دونوں کی کہ تم نے مجھ دکھیاری ماں کو صورت دکھا دی میں اس دنیا سے ناشاد و نامراد جا تی ہوں دل کے ارمان دل میں رہے اور کوئی حسرت پوری نہ ہوئی، تاریخ تم سے زیادہ ناہنجار بچیاں کم دیکھے گی۔

جس سینہ پر لوٹ کر تم جوان ہوئیں جس گود میں پل بڑھ کر کسی قابل ہوئیں۔ جن چھاتیوں سے دودھ پی کر سیانی ہوئیں، اسی کو تاراج کیا چھلنی بنایا اور زخم ڈالے۔ تم نے دنیا کی آنکھوں میں کلنک کا ٹیکہ میری پیشانی پر لگوایا اور آج کائنات کا کوئی ذرہ اور دنیا کا کوئی متنفس ایسا نہیں جو تمہاری بیوقوفی اور میری بدنصیبی پر ہنس اور رو نہ رہا ہو۔ دنیا ان مبارک ہستیوں سے بھری رہی اور رہے گی۔ جنہوں نے بڑھیا ماؤں کی لاج رکھی اور ان کو چار چاند لگا دیئے مگر میں وہ بدنصیب ماں ہوں جس کو تم دونوں کی بدولت اپنے سعید اور سپوت بچوں کی لاشیں اپنی آنکھوں سے

دیکھنی پڑیں، تم نے میری گود میں خون کے نالے بہائے اور میرے گلے پر کند چھری چلائی۔ تم نے جن چھاتیوں سے دودھ پیا آج ان سے خون کے فوارے جاری ہیں۔ جوانی نے تمہاری آنکھوں پر پردے ڈال دیئے، اور تم نے دنیا کو اپنا تماشا دکھایا جو دنیا کے کسی دھرم اور مذہب نے روا نہ رکھا وہ تم نے جائز کیا اور جس دنیا کے ہر کونہ سے لعنت برسی وہ تمہارا ایمان ٹھیرا نامراد لڑکیوں تمہاری اور محض تمہاری وجہ سے میرے کلیجے کے ٹکڑے شب و روز بھیک مانگ رہے ہیں اور اس کی ذمہ داری صرف تمہاری ذات پر ہے۔

تم نے جن کو اپنا سمجھا اور جن کو بہکانے میں آ کر مجھ پر یہ ستم توڑے ان کی سیدھی سادی باتوں پر نہ جاؤ وہ تمہارے اور میرے دونوں کے دشمن ہیں۔ نظریں اونچی کرو اور غور کرو کہ وہ کیا کر رہے ہیں"۔

اتنا کہہ کر ثریا خاموش ہوئی۔ ہچکی بندھی ہوئی تھی۔ اس نے دونوں کو ملا کر گلے لگایا اور ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"مجھ مرتی ہوئی ماکو جلا لو، دن اسی فکر میں اور راتیں اسی رنج میں بسر ہو رہی ہیں کہ کس طرح تم دونوں کو ایک کر دوں۔ اب میں کچھ اور نہیں کہتی ہاں اپنے دودھ کا واسطہ دے کر اتنا کہتی ہوں۔

"درگذر کا مادہ پیدا کرو"

اور ان دوستوں کو پہچانو جن سے بڑھ کر اس وقت کوئی دشمن نہیں" شہرزاد اب رکی اس کے چہرے پر افسردگی کے آثار نمودار ہوئے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور کہنے لگی۔

"بادشاہ! یہ عجوبہ روزگار بچیاں ابھی زندہ ہیں ان کے دیکھنے

کا شوق ہو تو ہندوستان کا رخ کیجیے۔ دونوں تبلیغ اور شدھی کے روپ میں نظر آئیں گی

"ہمدرد" ۲۶ء

سیمونه

(۱)

رات کے سنسان وقت میں اٹلی کے مشہور پہاڑ الپس کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا۔ چاند تین سے زیادہ منزلیں طے کر چکا تھا اور اس سکون مطلق میں جو چاروں طرف طاری تھا صرف آبشار کی آواز رات کو الوداع کہہ رہی تھی دامن کوہ میں ایک خانقاہ تھی جس کے مکین علائق دنیوی کو خیرباد کہہ کر اپنے معبود کی تسبیح کرتے تھے۔

خانقاہ رنگ برنگ کے پھولوں سے آراستہ تھی سرسبز شاداب پودے لہلہا رہے تھے اور ہوا پھولوں کو گدگدا گدگدا کر چادر مہتاب پر لٹا رہی تھی دفعتہً ایک مہ جبین جو روشوں پر ٹہل رہی تھی اور جس کی طرف ہوا نے اپنے دست گستاخ بڑھا دیئے تھے، اٹھلاتی گلاب کے پودے کے پاس آئی پھولوں نے اس کا استقبال کیا، پودوں نے اُسے سجدے کئے۔ چاند اس کے پاؤں میں لوٹا اور درختوں نے سر سرا سرسرا کر اس کی آمد پر مبارکباد کے نعرے لگائے۔

حسینہ صنعت حقیقی کا ایک نمونہ تھی اور حسن و سال سمند ناز پر ایک تازیانہ لباس سادہ اور چال مستانہ، رسیلی آنکھیں بیباکانہ پھولوں پر وار کر رہی تھیں کہ ایک نوجوان قریب پہونچا جس کی صورت دیکھتے ہی مہ جبین پہلے جھجک کر پیچھے ہٹی اور پہچان کر یہ کہتے ہوئے آگے بڑھی "ایلبٹن آگئے"

ایلبسٹن "شاہی گرجا کا گھنٹہ دو بجا رہا تھا جس وقت میں یہاں آیا ہوں۔ جب تمہارا پیغام میرے پاس پہنچا ہے آفتاب غروب ہونے کی

تیار بیان کر رہا تھا۔ سگرٹ کیس اور دیا سلائی کے لینے میں ضرور توقف ہوا ورنہ اسی آفتاب کے ساتھ جو آخر کار مسافرت میں مجھکو دغا دے گیا روانہ ہوا ہوں چاندنی رات اور دریا کا کنارہ ٹھنڈی ہوا اور یہاں تک پہونچنے کی اُمید دل کی جو کیفیت تھی بیان نہیں ہوسکتی"

سمہ جبین" میرے واسطے حضور اقدس نے جو کچھہ حکم دیا ہے، تم نے سُن لیا ہوگا"

البٹن" میں نے یہ اڑتی ہوئی خبر کل دوپہر کو کرائسپ میں سُنی تھی کہ شہنشاہ معظم نے پانچ سال کے واسطے اپنی پیاری بیٹی اور میرے دل و جان کی مالک سیمونہ کو جلاوطن ہونے کا حکم دیا ہے"

سیمونہ" ہاں اس حکم کی تعمیل میں چند گھنٹے باقی ہیں اور محض ماکی سفارش اور چچا کی ذمہ داری پر مجھے آج پورے تین سال بعد اتنی اجازت ملی ہے کہ مقدس پوپ کی زیارت کرلوں، البٹن اب میں تم سے پانچ سال کو رخصت ہوتی ہوں۔ تم خاندان شاہی کے ایک رکن ہو۔ اس خیال کو اپنے دل سے دور کردو مجھے امید نہیں کہ اب جانبر ہوسکوں گی۔ مادہ وفا میری سرشت میں ودیعت تھا میں تم پر نہیں اپنے خیال پر قربان ہوتی ہوں۔ خوشیوں بھری دنیا تم کو مبارک ہو بدنصیب سیمونہ کی یہ انگوٹھی اس کی یادگار اپنے پاس رکھنا، بس خدا حافظ"

البٹن کی آنکھہ سے اس وقت آنسو گر رہے تھے ضبط نہ ہوسکا سیمونہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا آنکھوں پر رکھا اور اس کے سوا کچھہ نہ کہا،

"ہوا کے جھونکو اس وقت کے شاہد رہنا"

سیمونہ اس فطرتی اصول کے بموجب جس نے اس کے منہ پر مہر سکوت لگادی،

تھی ہر چند کوشش کر رہی تھی کہ حالت ظاہری کیفیت قلب کو آشکارا نہ کردے مگر واقعات موثر تھے اور وقت نازک، اگو سرگذشت نے شکایت زبان تک نہ آنے دی۔ مگر اس کا لازمی نتیجہ دماغ کی پریشانی اور اضطراب قلب تھا آگے بڑھی، البیٹن کے کندھوں پر سر رکھ دیا اور بیہوش ہوگئی۔

(۲)

خانقاہ کے اندر مقدس پوپ جس کا آخری دنیوی فعل شاہ سلا بیٹو کے باپ کے سر پر تاج شاہی رکھنا تھا ایک مٹی کے ڈھیر پر بیٹھا ہے ایطالیہ کا مشہور پرند ابلیکو صبح کا پیغام لے آیا ہے سامنے کی دیوار پر تین تصویریں لٹک رہی ہیں داہنی طرف یسوع مسیح، بائیں طرف ہولی درجن اور بیچ میں صلیب عیسوی۔

شہنشاہ بیگم مقدس پوپ کے آگے سجدے میں پڑی ہے تاج شاہی خاک پر لوٹ رہا ہے لباس گرد آلود ہے اور گو خانقاہ سے باہر شاہی باڈی گارڈ ننگی تلوار کا پہرہ دے رہا ہے۔ مگر اس موقعہ پر کوئی اتنا بھی نہیں کہ ملکہ کا سر اٹھا کر اس کو تسکین دے۔ جب بیگم کی تمام رات اس حالت میں بسر ہوگئی تو پوپ نے گردن اٹھائی۔ سفید پلکیں انقلاب زمانہ کی تصویر تھیں۔ آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ خنجر براں ہاتھ میں تھا اور قہر آلود نظریں ملکہ کے سر پر۔

کچھ تامل کے بعد مقدس پوپ کھڑا ہوا اس کا تن بدن کانپ رہا تھا، خنجر زور سے دبایا اور کہنے لگا۔

"ملکہ! تو میری گودیوں کی کھلائی ہوئی ہے گو پچاس برس سے زیادہ ہوگئے۔ مگر میرے سامنے ہے وہ وقت جب تو پنگورے میں پڑی تھی جھولا

نہیں ہوں میں وہ دن جب میں نے تجھ کو اضطباغ دیا کل تو ایک لاشہ محض تھی اور آج اقلیم اطالیہ کی شہنشاہ بیگم تو اپنے گذشتہ پچاس سال میں روز بروز ترقی کرتی رہی سینکڑوں انسان تیرے آگے سربسجود ہیں اور ہزاروں جانیں تیرے قبضۂ قدرت میں، مگر یہ پچاس سال جو تیرے واسطے نعمت تھے میرے لئے مصیبت۔ اور اب میری دلی آرزو یہ ہے کہ اگر زندگی کے کچھ تھوڑے روز باقی ہیں تو ایسی سرزمین پر بسر ہوں۔ جہاں یورپ کا سایہ تک نظر نہ آئے ایلیٹن اور سیمونہ کی محبت پر دھوکہ نہ کھا یہ عیسائی نژاد یورپ کے باشندے مہر و محبت سے بالکل ناآشنا نہیں۔ شباب کا بھوت دونوں سروں پر سوار ہے جو اچھی طرح مٹی خراب کریگا۔ مگر خلوص جو شیوۂ انسانیت ہے اس سرزمین سے باتیں ہوئیں کہ گم ہوگیا۔

اُٹھ، اٹھ۔ ملکہ سر اٹھا، صبح صادق کا سہانا وقت ہے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔ ایسے میں محل سدھار جا کہ تمازت آفتاب کہیں رخ نازک کو تکلیف نہ دے۔ مبارک ہوگا وہ وقت جب میرے پاؤں اس دنیا بانہ وطن کو خیرباد کہیں یہ لہلہاتے ہوئے مرغزار، بہتے ہوئے چشمے، گاتے ہوئے پرندے جن میں عمر بسر ہوئی۔ ہمیشہ ہمیشہ کو رخصت ہوں"

ملکہ مقدس انسان! میری یہ مجال نہیں کہ آپ سے کسی امر پر بحث کرسکوں ہولی ورجن کا سایہ آپ کے سر پر (تصویر کی طرف دیکھ کر)

خداوندا میری التجا میں اثر دے اے پاک ذات جس کے آگے میرے باپ اور دادا نے سرِ تسلیم خم کیا میرے اوپر رحم کر اور کلیجے کے ٹکڑے سیمونہ کو جلاوطن ہونے کی مصیبتوں سے بچالے"۔

پوپ "جا! جا! چلی جا! ملکہ اطالیہ کی بسنے والی کوئی روح رحم

کی مستحق نہیں یہ جو کچھ ہو رہا ہے نہایت خفیف سزا ہے۔ تمہارے اعمال و افعال کی بیدردو! ظالمو! سنگدلو! ایک بچی کی چند روزہ جدائی نے دیوانہ بنا دیا مگر او دغا باز ملک کی ملکہ جا، جا، چلی جا، چلی جا۔"

(۳۲)

بحیرۂ روم کے مشرقی کنارہ پر ایر یٹریا میں ایطالیہ کا وہ محل آسمان سے باتیں کر رہا ہے جو خاندان شاہی کے قیدیوں کے واسطے مخصوص ہے یہ محل جو ساٹھ برس کے قریب غیر آباد رہا اب ایک مہ جبین کا مسکن ہے۔ ہر چہار طرف سنگین پہرہ ہے اور پرندہ کو بھی اجازت نہیں کہ اندر جا سکے سیمونہ ایک نواڑی پلنگ پر مردوں کی سی صورت لیٹی ہے۔ اس کے گلابی رخسار زرد ہو چکے ہیں اور گو وہ نہایت ذلت کے ساتھ قیدیوں کی سی زندگی بسر کر رہی ہے۔ مگر محبت کا تاج اس کے سر پر جگمگا رہا ہے۔ کپڑے چکٹ ہیں اور بال پریشان مگر یہ حسن کی پوٹ اس وقت بھی خدا کی قدرت کی ایک تصویر ہے دو حبشی بہا ہیرے سرگوشیاں کر رہے تھے کہ ایک سہیلی حاضر ہوئی جھک کر سلام کیا اور ایک پھول نذر کیا۔

سیمونہ کا پھول کو ہاتھ لگانا تھا کہ خیالات کہیں کے کہیں پہنچے۔ یاد محبوب نے اس کو خون کے آنسو رلوا دیئے الیگٹن کی تصویر اس کے سامنے تھی اور باپ کے مظالم اس کا کلیجہ توڑ رہے تھے کہ ایک فوجی جوان سگریٹ پیتا ہوا اس کے کمرے میں داخل ہوا جس کو دیکھ کر سیمونہ چیختی ہوئی بھاگی، اور یہ کہتی ہوئی باہر آئی:۔

"اے نمک حرامو! یسوع کا واسطہ مجھکو اس ظالم مہیجر سے بچاؤ"

"مہیجر" شہزادی صاحبہ میری طرف سے مطلق خوف نہ کیجئے۔ میں اپنی

فوج کے ایک جانباز کپتان کی وصیت پوری کرنے آیا ہوں اگر آپ اجازت دیں تو میرے پاس آپ کی ایک امانت ہے وہ پیش کر دوں،،

میجر گیلفس کی زبان سے ان الفاظ کا ادا ہونا تھا کہ سیمونہ سہم گئی، قریب آئی اور نہایت لجاجت سے کہا" فرمایئے،،

گیلفس: جنگ طرابلس تو آپ کے سامنے ہی شروع ہو چکی تھی۔ اس معرکہ میں آپ کے اقبال سے اٹلی نے جس شجاعت کا ثبوت دیا ہے اس نے نہ صرف دشمن کے چھکے چھڑا دیئے بلکہ تمام یورپ کو دہلا دیا۔ میں آج کل اس فوج کا سپہ سالار ہوں جو بنغازی میں مکار ترک اور عربوں کا قیمہ بنا رہی ہے۔ پرسوں کا خونریز معرکہ قابل دید تھا جس میں ہزاروں مسلمانوں کے سر اطیالیہ کی تلوار نے تن سے علیحدہ کر کے شہر پر پورا قبضہ کیا۔ مگر افسوس ہمارے بھی دو افسر اور تین سپاہی زخمی ہوئے جس میں سے ایک مجروح اطیلٹن آج صبح کو جانبر نہ ہو سکا۔ آخیر وقت اس نے مجھے یہ انگوٹھی دی اور کہا شہزادی سیمونہ کی امانت ہے پونچا کر میری روح کو خوش کرنا،،

یہ بیان ایک بجلی تھا جس نے اندر ہی اندر سیمونہ کو جلا کر خاک کر دیا آنکھ میں آنسو نہ تھے لب پر آہ نہ تھی، مگر چہرہ کا رنگ یہ پتہ دے رہا تھا کہ دل مجروح اس صدمہ کی تاب نہ لا سکا۔ وہ گم سم بیٹھ گئی۔ انتہائی مصائب و تکالیف میں اُمید کی جھلک کبھی تر و تازہ کر دیتی ہے اس وقت اس کا انقطاع درحقیقت سیمونہ کی زندگی کا خاتمہ تھا تاہم اس نے استقلال کو ہاتھ سے نہ دیا اور میجر گیلفس سے کہا" تو کیا اطیلٹن کی لاش دفن کر دی گئی ،،

میجر" کل صبح میری موجودگی میں دفن ہو گی

سیمونہ" کیا آپ کی عنایات سے یہ ممکن ہے کہ میں بھی رسم تدفین

میں شریک ہو سکوں"۔

(۴)

دوپہر کے سنسان وقت میں عدالت العالیہ کا شاندار کمرہ وکیلوں اور گواہوں سے بھرا ہوا ہے دروازہ پر دو رویہ فوج کھڑی ہوئی ہے۔ مگر خلقت کا ہجوم اس قدر زیادہ ہے کہ مسلح گارڈ بھی بمشکل انتظام میں کامیاب ہو سکا۔ ایک متبرک صورت نیک سیرت بزرگ ماخوذ ہیں اور ہر شخص گردن نیچے کئے ساکت کھڑا ہے، دفعتہً چیف جج نے گردن بلند کی اور کہا:۔

"مقدس پوپ! ملکہ معظمہ کی موجودگی میں جو الفاظ آپ نے فرمائے اس سے نہ صرف سرکار عالیہ کی توہین و تذلیل ہوئی بلکہ آپ نے تمام یورپ کو ظالم و سفاک بنا کر مذہب عیسوی کی وہ ہتک کی ہے جس نے گورنمنٹ کو نہ فقط صدمہ پہنچایا بلکہ آپ کی طرف سے بالکل بدظن کر دیا۔ آج کل جب کہ اسلام سے ہمارا معرکہ ہو رہا ہے اندیشہ ہے کہ آپ کا وجود بغاوت کا باعث ہو اور رعیت بھڑک اٹھے اس لئے میں آپ کو موقعہ دیتا ہوں کہ اگر آپ اپنی بریت میں کچھ کہنا چاہیں تو کہیں"

پوپ" معزز ججو! مجھے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ نے اپنے فرض منصبی کو اس خوش اسلوبی سے انجام دیا اور انصاف کے کسی پہلو کو جس کی آپ سے توقع ہے نظر انداز نہ فرمایا!

آنریبل ججو! درحقیقت میں نے شہزادی کے سامنے یہ الفاظ کہے اور اگر یہ کہنا جرم ہے تو میں واقعی اس کا مرتکب ہوں لیکن انصاف کے مدعیو! ایمان کو ہاتھ سے نہ دو اور بتاؤ! کیا مذہب عیسوی کی تلقین یہی تھی کہ ہزاروں بندگان خدا کو خانماں برباد کر دو، بوڑھوں اور بچوں کو تہ تیغ کرو اور محض

اس لئے کہ تمہارے جسم میں طاقت ہے، کمزور کو ذبح کردو!

روس نے جس بیدردی سے بوسینا اور ہرزیگوینیا کے واقعات میں لاکھوں انسان تہ تیغ کئے ہیں، تاریخ اس کو فراموش نہیں کر سکتی۔ جس چالبازی اور مکر و فریب سے فرانس نے مراکو میں قتل عام کیا ہے۔ عالم بالا کے شاہد اس سے اغماض نہیں کر سکتے اور اسے بے ایمان حکومت کے بے ایمان حجو تم نے طرابلس میں بے گناہ اور مظلوم بڈھوں اور بچوں کے ساتھ جیسا برتاؤ کیا دنیا اس کو بھول نہیں سکتی! کیا ایسے عیسائی منہ دیکھنے کے قابل ہیں اور کیا یہ مغرب کسی سچے عیسائی کے لینے کے لائق ہیں۔ جلد حکم دو اور مجھکو پھانسی چڑھاؤ کہ میں تم مکاروں کے پھندے سے رہائی پاؤں۔

(۵)

رات چاندنی ہے اور جاڑا گلابی ایک بجے کے قریب اس ناپیداکنار سمندر میں جو بحیرۂ روم سے مشہور ہے ایک تاریک چھوٹی کشتی شمال مشرق کی کی طرف بھی چلی جارہی ہے میجر گیلفس اور بدنصیب سیمونہ دونوں خاموش ہیں مگر سیمونہ کا عکس پانی میں چاند کی طرح لوٹ رہا ہے کچھ دیر سکوت کے بعد گیلفس اٹھا، سیمونہ کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور بہ منت کہا۔

شہزادی "مجھ پر رحم کر!"

سیمونہ "میجر گیلفس آپ نے ایک ایسی عورت کو دھوکہ دیا ہے جس کا دل محبت سے چور ہے یہ آپ کی شان کے خلاف تھا اگر آپ اپنے ارادہ سے باز نہ آئیں گے تو یقین کیجئے کہ یہ بہتا ہوا پانی سیمونہ کا خاتمہ کر دے گا۔

میجر گیلفس کی آنکھیں غصہ سے بھڑک اٹھیں اس نے خنجر کمر سے نکالا اور سیمونہ کو گرایا اور اس کے سینہ پر رکھ کر کہا:۔

"اگر تو اب بھی ہٹ سے باز نہیں آتی تو یہ خنجر تیرا فیصلہ کر دیتا ہے"

ٹھیک اسی وقت جب میجر گیلفس نے خنجر کی چمکتی ہوئی دھار نازک اندام سیمونہ کے سینہ پر رکھی ہے ایک کشتی پاس سے گذری جس کی آواز سن کر سیمونہ اس طرح چلائی۔

"کیا اس آدھی رات کے سناٹے میں جب کہ ایک ظالم میری عزت برباد کرنے کے درپے ہے۔ اس سمندر میں جس کا کنارہ لاپتہ ہے کوئی شخص ایسا ہے جو میری عصمت کے بچانے میں مجھے مدد دے"

میجر" بحری اور بری آس پاس کی تمام دنیا میرے قبضۂ قدرت میں ہے کس کی ہستی ہے کہ میرے پنجہ سے تجھکو چھڑا سکے۔ سیمونہ اگر زندگی عزیز ہے تو میری درخواست قبول کر ورنہ یہ خنجر آبدار سینہ کے پار ہوتا ہے"۔

میجر گیلفس کے یہ لفظ ختم ہی ہوئے تھے کہ برابر کی کشتی ٹھٹکی اور ایک نوجوان مسلح ترک نے اس کشتی میں آنے کی کوشش کی۔ میجر گیلفس یہ دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا غصہ کی کوئی حد نہ تھی للکار کر کہا کہ او کافر خبردار اگر ادھر کا قصد کیا تو چشم زدن میں روح عالم بالا کو پرواز کر جائے گی"

نوجوان ترک کے واسطے یہ بڑی مصیبت کا سامنا تھا اس کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ظالم کشتی تا رہیڈیہ ہے مگر ارادہ کا پکا تھا پہلی ہی جست میں اندر داخل ہوا۔ اب میجر گیلفس کو تاب نہ تھی اس نے دور ہی سے رائفل کا فیر کیا رات چاندنی تھی اور ترک کو اتنی مہلت نہ ملی تھی کہ وہ اپنے ہتھیار نکال سکتا۔ سردار نے سینہ کو بچا کر گولی ہتھیلی پر لی اور خنجر نکال کر آگے بڑھا۔ میجر گیلفس نے دوسرا فائر اور کیا اور اگر ترک اس وقت بیٹھ نہ جاتا تو اس کی لاش کشتی میں تڑپتی ہوئی دکھائی دیتی وہ بیٹھتے ہی اٹھا اور خنجر کھینچکر سر پہ جا پہنچا۔ اب ہتھیاروں کا

وقت نکل چکا تھا اور محض گارڈ زوری تھی گو ترک کا ایک ہاتھ کمزور ہو چکا تھا مگر اس نے ایک نعرہ مار کر اس زور سے گیلفس کو نیچے پھینکا کہ وہ چیخ اٹھا اور آناً فاناً کشتی میجر گیلفس کے خون سے سرخ ہو گئی۔

سیمونہ کی رسیلی آنکھیں یوں تو شروع سے جوان ترک کی شجاعت کی داد دے رہی تھی مگر اب وہ اٹھی قریب آئی اور کہا:-

"میں کن الفاظ میں آپ کا شکر ادا کروں"

ترک:- میں شکریہ کا محتاج نہیں میری کشتی تیار ہے میں جاتا ہوں آپ صرف اتنا بتا دیجئے یہ مرنے والا کون تھا اور آپ کو کہاں سے لایا؟"

سیمونہ:- میں کون ہوں یہ دریافت نہ کیجئے - یہ میجر گیلفس افواج اطالیہ کا کمانڈر تھا - آپ کو تکلیف تو ضرور ہو گی - مجھکو بنغازی یا طرابلس پونہچا دیجئے - آپ کا کیا نام ہے؟"

ترک- میرا نام حسن ہے میں نہایت خوشی سے آپ کو طرابلس پونہچا دیتا ہوں مگر ساحل پر اطالیہ کی پچاس ہزار فوج میرے خون کی پیاسی ہے طرابلس سے کچھ دور ادھر آپ کو اتار دوں؟"

سیمونہ "اطالیہ کے کسی متنفس کی اب اتنی مجال نہیں ہے کہ آپ کی طرف ٹیڑھی آنکھ سے دیکھ لے آپ اطمینان سے چلیں اطالیہ کے آپ مہمان ہیں -

کشتی نے طرابلس کا رخ کیا یہ کہنا مشکل ہے کہ سیمونہ کی ان نظروں میں جو بار بار جوان ترک پر پڑ رہی تھیں محبت شامل تھی یا نہ تھی مگر یہ ظاہر ہے کہ البسٹن کی موت کا صدمہ وہ فراموش کر چکی تھی اور اس نے مکرر کہا:-

"کیا کوئی چیز دنیا میں ایسی ہے جو آپ کے احسان سے مجھے سبکدوش کر دے"

حسن" ہاں ہے! صرف یہ ہی کہ آپ مجھکو اپنا خادم تصور فرمائیں"

سیمونہ" مجھکو اجازت دیجئے کہ میں آپ کے اس ہاتھ پر پٹی باندھ دوں جس سے اب تک خون جاری ہے"

حسن" یہ خود ہی تھم جائے گا آپ اس کا خیال نہ کیجئے"

سیمونہ یہ سن کر اٹھی۔ بلاؤس میں سے رومال نکالا اور حسن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر رومال باندھا"

حسن" آپ کے نازک ہاتھ ان کاموں کے قابل نہیں آپ کی عنایت نے مجھکو اور بھی گھائل کیا۔ آپ کی فوج کی روشنی نظر آنے لگی۔

ساحل کے قریب کشتی جا کر ٹھیری حسن اور سیمونہ اترے اور کیمپ کی طرف چلے۔ مگر اس سے پہلے کہ یہ دونوں پونہچیں۔ ملاح نے میجر گنبلفس کے قتل کی واردات کی رپورٹ کی اور گو سیمونہ ہر چند چیخی چلائی مگر حسن پاشا گرفتار کر کے کورٹ مارشل میں پیش کر دیا گیا۔

قمری مہینہ کی چودھویں تاریخ پوری تماشی کا چاند سطح آسمان پر اٹھکیلیاں کر رہا تھا۔ رات پہلا پہر ختم ہو چکی تھی اور ساحل طرابلس پر ایک عالم سنسان طاری تھا ہوا سمندر کی لہروں کو چھو چھو کر زیتوں کے پتوں کو سرسرا رہی تھی اور دردرماں نصیب اس سناٹے میں اپنی قسمت کا فیصلہ اس طرح کر رہے تھے۔

ایلیٹن" خوبصورت سیمونہ مجھے ہرگز یہ امید نہ تھی کہ تم اس طرح دیدے بدل جاؤگی اور میری تمام عمر کی جان نثاری اور محبت کا یہ پھل ملے گا کہ ایک مسلمان کے مقابلہ میں تم اس بری طرح مجھکو جھڑک دو"

سیمونہ" یقیناً تم ایسا کہنے میں بے ایمان ہو حسن پاشا کی ایک رات نہیں

بلکہ چند گھنٹوں کی صحبت نے مجھکو یقین دلا دیا کہ مذہب اسلام کی تلقین بہترین ہے تم یقین کرو کہ حسن پاشا میرا محسن ہے اور اگر اس کو ذرہ بھر تکلیف پونہچی تو اس کا روحانی صدمہ مجھکو ہوگا۔ تمہارا یہ خیال محض غلط ہے حسن پاشا کو میری محبت مطلق نہیں اس نے جو کچھہ کیا محض انسانیت کا فرض سمجھکر۔

ایلیسٹن "شہزادی! کورٹ مارشل پر اگر تم نے اثر ڈالنا چاہا تو جو شخص سب سے پہلے تمہاری مخالفت کریگا اور تمہاری تمام خواہشوں کو خاک میں ملا دیگا وہ وہ ہوگا جو آج تک تمہارا فرمانبردار و جان نثار رہا، احسان کا بدلہ صرف یہ ہو سکتا ہے کہ تم اس کے ورثا کو خوش کر دو۔ لیکن ایک ایسا ظالم مسلمان جو میجر گیلیفس جیسے جری کا قاتل ہو ہرگز بچ نہیں سکتا"!

سیمونہ "گیلیفس جیسے بدمعاش کا نام لے کر تم نے میرے تن بدن میں آگ لگا دی تم ہرگز بات کرنے کے قابل نہیں ہو بہتر ہوگا کہ فوراً میرے سامنے سے دور ہو جاؤ"

اتنا کہہ کر سیمونہ آپے سے باہر ہو گئی کمر سے خنجر نکالا اور دیوانہ وار ایلیسٹن کی طرف لپکی۔ اگر ایلیسٹن مزاج شناس نہ ہوتا تو یقیناً سیمونہ اس کا کام تمام کر دیتی تاہم اس کشمکش میں ایلیسٹن کے داہنے ہاتھ کے ساتھ گل اندام سیمونہ کا بایاں رخسار بھی زخمی ہوا۔

(۷)

ساحل کے متصل طرابلس کے اس ہولناک میدان میں جس نے ہزارہا اپاہج ضعیف غریبوں کی زندگی کا خاتمہ کیا۔ جہاں ہزاروں دودھ پیتے معصوم ماؤں کے کلیجے سے چھڑا کر سنگینوں کی باڑھ پر چڑھا دیئے گئے۔ دو رویہ مسلح پلٹنیں کھڑی ہیں اور جنرل میگیانی ان کا کمان افسر نہایت ذوق و شوق سے اپطالیہ

کے کیمپ کی طرف نظر دوڑا رہا ہے کہ پچاس اطالیہ نوجوان ننگی تلواروں کے پہرے میں حسن پاشا کو لیکر سامنے آئے۔ قیدی کے چہرہ پر استقلال کے آثار نمایاں تھے اور گو موت اس سے بہت ہی قریب تھی تاہم اطمینان کا مینہہ اس کے منہ پر برس رہا تھا وہ ہنستا ہوا میدان میں آیا اور بآواز بلند کہا۔

"ایک تن واحد کو بے جان کرنے واسطے یہ انتظام،،

جنرل میگیبانی "حسن پاشا آپ کو معلوم ہے کہ میجر کیلفس کے قتل کا الزام آپ پر ثابت ہو گیا اور گو آپ نے شہزادی صاحبہ کی عفت و عصمت اور جان کے بچانے کے واسطے یہ قتل کیا۔ تاہم آپ چونکہ خود یورپین ہیں یورپ کے ایمان کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ آپ کے واسطے حکم ہوا ہے کہ آپ گولی مار دیئے جائیں کیا آپ کو کوئی وصیت کرنی ہے؟،،

حسن پاشا بنغازی اور طرابلس میں آپ کی جری فوج کا جو کچھ حشر ہوا دنیا کو روشن ہے، کیا یہ ممکن تھا کہ حسن پاشا زندہ آپ کے ہاتھوں گرفتار ہو جاتا کیا آپ یہ سمجھتے ہیں، کہ میں ایک عیسائی عورت کے دہوکے میں آ کر یہاں پہونچ گیا وہ میرے عقیدہ کے بموجب واجب الرحم تھی اور میں چونکہ مسلمان ہوں میرا یقین ہے۔

کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا

میں ایک بیکس عورت کی اعانت تک پونہچ گیا اور اب یقیناً درجہ شہادت حاصل کروں گا خدا ایسی موت سب کو دے۔ اب بسم اللہ کیجئے،،

ابھی یہ گفتگو ختم نہ ہوئی تھی کہ قلعہ حمیدیہ کی طرف سے ایک فیر ہوا جس نے جنرل میگیبانی کو ہمیشہ کے واسطے ٹھنڈا کر دیا۔ متواتر بندوقوں کی باڑ نے تمام فوج کو سراسیمہ کر دیا یہاں تک کہ شجاعان عرب کا ایک دستہ میدان میں آ پہنچا۔ کامل

پانچ گھنٹہ تک خونریز جنگ کا سلسلہ جاری رہا۔ مگر عربوں کی شجاعت میں فرق نہ آیا۔

سورج غروب ہونے کی تیاریاں کر رہا تھا کہ جنگی بیڑہ کی آتش باری نے بہادروں کو پسپا ہونے پر مجبور کیا اور مجاہدین اللہ کے نعرے لگاتے ہوئے آنکھ سے اوجھل ہو گئے۔

(۸)

ایطالیہ کے محل میں آدھی رات گذر چکی تھی، وسطی کمرہ میں برقی روشنی کے سامنے سیمنن سیمونہ ایک گلابی رشمین بلاؤس پہنے کرسی پر بیٹھی تھی گلاب کا ایک سفید پھول ہاتھ میں تھا وہ کسی خیال میں ایسی محو و مستغرق تھی کہ دنیا و مافیہا کا مطلق ہوش نہ تھا۔ دفعتہً ایک نوجوان اس کمرہ میں داخل ہوا جس کو دیکھ کر سیمونہ بالکل سہم گئی اور کچھ تامل کے بعد کہا: —

ایلسٹن! اب تمہاری اتنی مجال ہو گئی کہ محل شاہی میں بلا اجازت و اطلاع آدھی رات کے وقت دڑانہ چلے آئے کیا پہرے والے مر گئے تمہاری پچھلی عنایتوں کا معاوضہ ہے کہ اُلٹے پاؤں باہر نکل جاؤ۔"

ایلسٹن:۔ "شہزادی میں عفو و قصور کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔ اگر آپ گوارا کریں تو حسن کے خون کا بدلہ مجھ سے لے لیجئے"

سیمونہ:۔ "کیا حسن پاشا مار دیا گیا!"

ایلسٹن:۔ "ایک ہفتہ سے زیادہ ہوا"

سیمونہ:۔ "اچھا میں ابھی آتی ہوں"

اس کے بعد تپنچہ کا ایک فیر ہوا اور ایلسٹن کی لاش فرش زمین پر تڑپتی ہوئی دکھا دی۔

دنیا عالم اسباب و انقلاب سب کچھ سہی، مگر چڑھ چڑھ کر اترنے اور بن بن کر بگڑنے والے، کلیجوں پر اتنے داغ دے گئے جو قیامت تک تازہ رہیں گے یہ ازلی بدنصیب، مختلف طبقات میں منقسم تھے، امرا افلاس کا شکار ہو کر بے یار و مددگار دم توڑ گئے۔ بادشاہوں نے خاک کے ڈھیروں پر تڑپ تڑپ کر جان دی، لیکن! واجب الرحم تھیں اور ہیں وہ صورتیں جو عزیزوں کے فراق میں بلک بلک کر رخصت ہوئیں، اور ترس ترس کر دنیا سے اٹھیں، یہ بندۂ محبت جو مختلف رنگوں میں پردۂ دنیا پر آئے، مر گئے، مگر زندہ ہیں عالم فانی کہیں سے کہیں پہونچ جائے مگر ان کے نام اور ان کے کام فراموش نہیں ہو سکتے۔ بعض بندۂ محبت تھے جو خلوص کی لاج رکھ گئے۔ کچھ سچ مچ کے انسان تھے جنہوں نے انسانیت کا فرض پورا کیا، اور اکثر شیدائے وطن تھے جنہوں نے آبائی سرزمین کو اپنے خون سے سینچا، جوان، جوان بیٹوں کی قربانیاں چڑھائیں۔ برابر کے بھائی نثار کئے۔ اپنی جانیں نذر کیں، گئے تو خرم و شاد اور بچے تو تاراج و خانماں برباد، زمانہ آج ہزاروں برس آگے نکل آیا۔ مگر شیدائے وطن کی پرستش خاک وطن کا ہر ذرہ کرتا رہا اور مدت العمر کرتا رہے گا۔

صلیب و ہلال کی معرکہ آرائیاں، چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ہوئیں ہو رہی ہیں، اور جب تک یورپ کا وجود دنیا میں موجود ہے، ہوتی رہیں گی۔ رچرڈ کے وہ خونریز حملے جن کو تاریخ کروسیڈز کے نام سے تعبیر کر رہی ہیں سینکڑوں برس گزر جانے پر بھی پیش نظر ہیں اور وہ قدسی نفوس جن کی پاک روحوں نے صلاح الدین کی صدائے عام پر صدائے لبیک دی۔ جو اپنے خون گرا کر بیت المقدس کو دشمنوں سے بچانے کے لیے شہید ہوئے پھر بھی بقائے دوام کے خلعت سے مزین ہیں، بیت المقدس ان کی شہادت پر جبا کے

نعرے لگا رہی ہے۔ اور میدان جنگ کا ہر ذرہ ان کے مقدس خون کے قطرہ پر صبح شام سدا بہار پھول چڑھا رہا ہے۔

(۱۰)

اطالیہ کے وزیر جنگ کے احکام کے بموجب آج مقدس پوپ کو اسلئے کہ اس نے اسلام کی حمایت کی طرابلس کے اسی خونریز میدان میں پھانسی کی تجویز ہے عجب خوفناک منظر ہے۔ پوری پچاس ہزار فوج حضرت پوپ کو حفاظت میں لئے میدان کی طرف روانہ ہوئی۔ ابھی میدان جنگ پانچ کیلومیٹر تھا، کہ مشرق سے گرد وغبار اڑتا دکھائی دیا۔ اور آناً فاناً بیس ہزار ترک وعرب اطالیہ کے سر پر آپڑے۔ اطالی جنگجو بھی غافل نہ تھے۔ جی کھول کر لڑے اور خوب داد مردانگی دی، طرابلسی جوان تعداد میں کم تھے جنگی جہازوں کی گولہ باری کی تاب نہ لاسکے۔ پلٹنے تھے کہ ایک عورت نے آواز بلند کہا:۔

"آؤ بہادرو آؤ میری چوڑیاں پہنو"

ان الفاظ نے برقی رو کا کام دیا اور ترک الا اللہ کا نعرہ لگا کر دشمن پر ٹوٹ پڑے گھمسان کا رن تھا کہ ہزاروں سرتن سے جدا ہو رہے تھے۔ اطالی کمانڈر نے جنگ کا نقشہ بدل دیا اور ایک ڈویژن پشت سے ہٹا کر بازو سے حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اطالی کامیاب ہو جاتے اگر نخلستان کی تازہ کمک اس ڈویژن کے راستہ ہی میں کام تمام نہ کردیتی ساڑھے نو گھنٹے کی خونریز جنگ کے بعد اطالیوں کے پاؤں اکھڑ گئے، اور وہ پسپا ہوئے اس وقت شجاعان عرب میں سے ایک بہادر عورت آگے بڑھی، مقدس پوپ کو گلے سے لگایا اور یہ کہتی ہوئی روانہ ہوگئی "یقیناً وہ شخص جو ہماری حمایت میں جان دے رہا ہے ہماری ایسی ہی اعانت کا مستحق ہے"

(۱۱)

جب اٹالیہ ہر اعتبار سے طرابلس میں یورپ کی ناک کٹوا چکی اور کامیابی سے قطعی ناامید ہوئی اور تمام یورپ سے اپیل کیا کہ مسیح کا واسطہ میری شرم رکھو تو اس وقت مغرب کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ سوئٹزرلینڈ میں ایک مجلس منعقد کی گئی اور سیمین پاشا نے صلح کا بیڑا اٹھایا یہ یورپ کا محسن جس وقت آزادی طرابلس کا اعلان لے کر روما پہنچا۔ سلطنت اٹالیہ نے اس کے استقبال میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ بادشاہ خود تعظیم کو اٹھا اور سیمین پاشا کو معہ دو ہمراہیوں کے تخت کے برابر جگہ دی۔

صلح فرمان لے کر تمام سلطنت میں عید ہوگئی اور وزیر جنگ نے سیمین پاشا کے رخ نازک کو معاوضہ احسانات میں بوسہ دیا۔

اب سیمین پاشا اپنی جگہ سے اٹھا اور کہا:۔

"میں ترک یا عرب نہیں آپ کی اکلوتی بیٹی سیمونہ ہوں۔ یہ میرا محسن حسن پاشا اور دوسرے آپ کے مقدس پوپ ہیں آپ اجازت دیجئے کہ شاہی گرجا میں میرا نکاح شرع اسلام کے بموجب حسن پاشا سے ہو جائے"

اس درخواست کی منظوری میں کیا تامل ہو سکتا تھا حکم کی دیر تھی۔ نہایت تزک و احتشام سے شادی ہو گئی اور سیمین شہزادی سیمونہ کو لے کر حسن پاشا قسطنطنیہ روانہ ہوا۔

تمدن ستمبر ۱۲ء

شہیدِ مغرب بصورت کتاب پہلی مرتبہ نومبر ۲۹ء میں شائع ہوئی۔